Postal Regd.No.LW/NP/63/2003to2005

25 November, 2005

Vol. No. 4 - Issue No. 22

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

R.N.I. No-UP.URD/2001/6071

(0522) 2740151 ندوہ مہمان خانہ

2741272 دفتر اہتمام

2741221 (فیکس) رابطہ ادب اسلامی

2741834 مجلس صحافت ونشریات

Mobile : 09415786548 Shop : 0522-2274606 Phone : 0522-2616731 (R)

Mohd. Akram Jewellers

محمد اکرم جویلرس

Near Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثناء جویلرس

Sana Jewellers

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gehna Palace

Whenever You See Jewellery
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Resi : 2226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

Shop : 9415002532 2613736 3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow - 18

Ph : (0522) 2266824 2252789

Abdullah Malik
Managing Director

Off : 2240999

S. ABDUL MALIK & SONS

ایس. عبدالملک اینڈ سنس

Specialist in :
Indian Attars & Synthetics Essential Oils

253/28, Nadan Mahal Road, Nakhas, Lucknow. U.P. India
Website : malikattars.com
E-mail : shamamahouse@rediffmail.com

Editor : Shamsul Haq Nadwi Office Ph : 2741235 (Ext) 18 Printed & Published by Athar Husain
on behalf of Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Parekh Offset Printing Press, Tagore Marg, Lko. Ph : 0522-3943484

پندرہ روزہ

معمارِ حیات

لکھنؤ

حاجی حکم کا بندہ ہے

حج اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادات کے ساتھ اطاعت محض مجرد امتثال امر، بے چوں وچرا حکم خداوندی کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے، حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے، کبھی منیٰ میں، کبھی عرفات میں، کبھی مزدلفہ میں، کبھی ظہر تا ہے، کبھی مغرب کی نماز ترک کرتا ہے، کبھی الحاز تا ہے، وہ حکم کا بندہ ہے اور چشم ابرو کا پابند ہے، اس کا خود نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے نہ فیصلہ، نہ انتخاب کی آزادی، وہ منیٰ میں اطمینان سے ساری رات گذار لیتا ہے پاتا کہ اس کو عرفات جانے کا حکم ملتا ہے، لیکن مزدلفہ میں رکنے کی اجازت نہیں ہوتی، عرفات پہنچ کر وہ دن بھر دعا وعبادت میں مشغول رہتا ہے، غروب آفتاب کے بعد اس کو اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ ذرا ستالے اور رات کو یہیں رہ جائے لیکن اس کے بجائے اس کو مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے، وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا لیکن عرفہ میں اس کو اس کا حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز ترک کردے اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نماز یا اپنی عادت کا بندہ نہیں، وہ یہ نماز مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے، مزدلفہ میں اس کا خوب خوب جی لگتا ہے، اور سوچتا ہے کہ یہاں ہی ٹھہر کر تہجد پڑھے مگر اس بات کی اجازت بھی اس کو نہیں ملتی اور اس کو منیٰ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

(ماخوذ از: ارکان اربعہ)

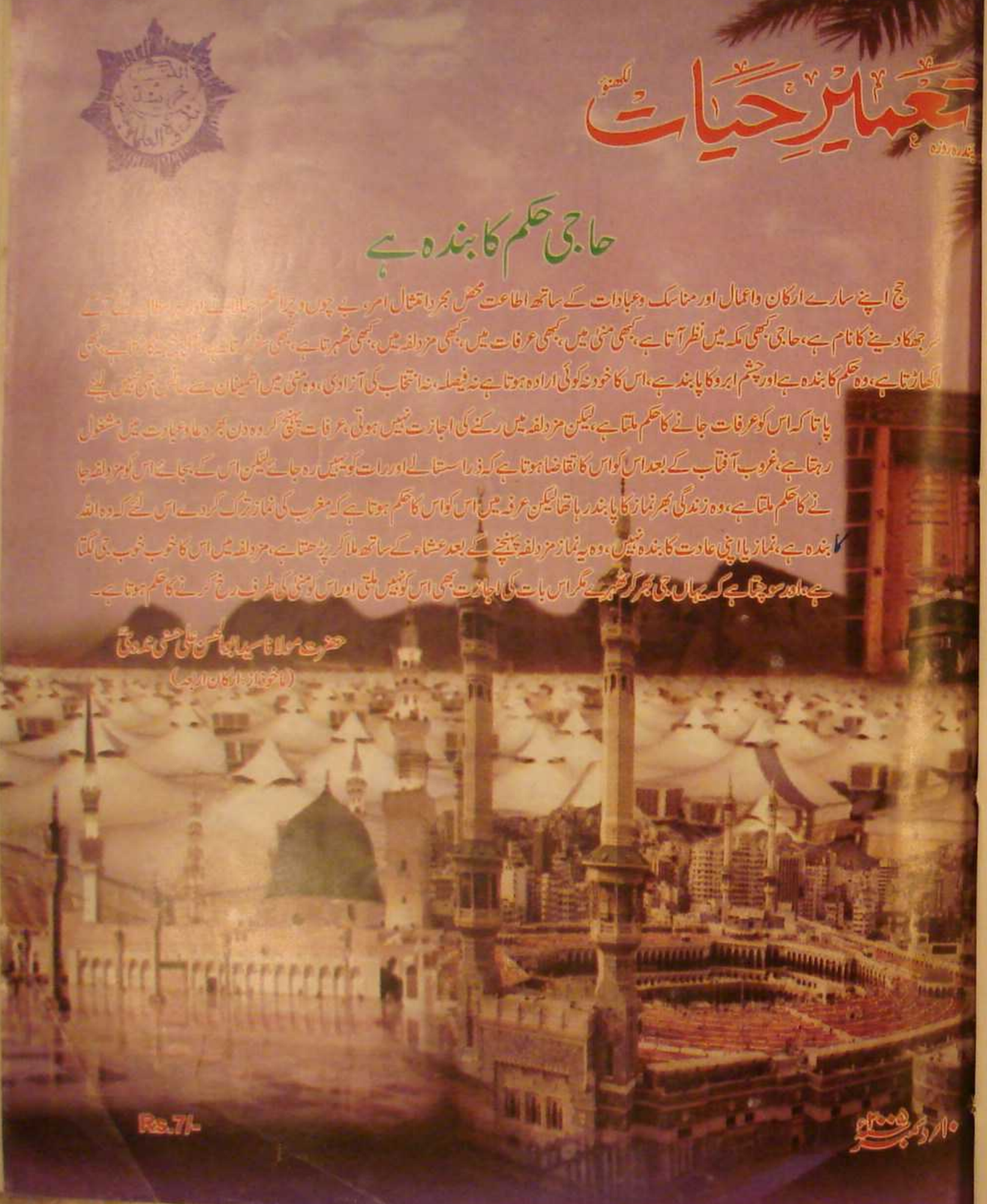

مولانا سید محمد ثانی حسنی

مکہ مکرمہ میں

مجھ پر خدا کا بے شمار فضل وکرم ہے آج کل
لیل ونہار بار بار طواف حرم ہے آج کل
زمزم کا جام ہاتھ میں ذکرِ خدا ہے ساتھ میں
میری نظر کے سامنے بابِ حرم ہے آج کل
تھامے ہوئے غلاف کو بہر دعا حطیم میں
ناچیز بندہ یہ ترا طالب کرم ہے آج کل
ذکرِ خدا زبان پر گرم طواف روز و شب
رو کر چمٹنا بار بار بہر ملتزم ہے آج کل
اسود حجر کا چومنا ہے شغل میرا روز و شب
اور ہاتھ میرے ہیں بلند اور چشم نم ہے آج کل
شکر خدا ادا کرے مجھ سا نحیف و ناتواں
مجھ پر تو فضل ایزدی بے کیف وکم ہے آج کل
رب العلا کے سامنے شام وسحر جبیں نیاز
بندہ ترا درِ حضور تسلیم خم ہے آج کل
تیرا کرم میں گن سکوں میرے لئے محال ہے
میرے خیال سے بلند تیرا کرم ہے آج کل
میری دعا تو کر قبول آنا مرا نہ ہو فضول
لب پر دعا ہے تیز تر اور دم بدم ہے آج کل
ہاتف نے دی صدا مجھے کچھ غم نہ کر دل حزیں
تیرا مقام تو بلند بیت السلم ہے آج کل

گنبد خضرا کو دیکھ کر

دلِ غمزدہ میرا مسرور ہے آج
مرا دل محبت سے معمور ہے آج

میں قسمت پہ اپنی ہوں جتنا بھی نازاں
مری آنکھ دل مست ومخمور ہے آج

مری آرزو آج پوری ہوئی
مرے سامنے قبۂ نور ہے

سکون و قرار آج رگ رگ لیا
مرا سینہ تو وادیٔ طور ہے

خدا کی ہے قدرت یہاں میں ہوں پہنچا
بلندی پہ یہ میرا مقدور ہے

ہے سرسبز و شاداب طیبہ کی وادی
جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے

تعمیرِ حیات

بلدروزہ لکھنؤ

اشاعت کا ۴۳ واں سال

جلد نمبر ۴۳ — شمارہ نمبر ۳

۱۰ر دسمبر ۲۰۰۵ء مطابق ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی
معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین
معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

سالانہ زرتعاون ۱۵۰/ ——— فی شمارہ ۷/

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے ۳۵/ ڈالر

ڈرافٹ میٹر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat
P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7
Ph: (0522) 2741235

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

شعروادب

میرا اسلام لے جا — حفیظ جالندھری — ۲

اداریہ:

ہوشیار اے ملت بیضائے ما! — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۳

چراغ راہ:

جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی ——— حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ — ۶

علم وآگہی:

قدرت خداوندی کے سامنے ترقی یافتہ انسان ——— مولانا سید محمد واضح رشید ندوی — ۸

مشاہدات وتأثرات:

دمشق وحمص میں — پروفیسر محمد اجتباء ندوی — ۱۰

ایک مطالعہ:

اسلام اور مغربی دانشور — اے ایچ نعمانی — ۱۳

حج بیت اللہ:

حجاج کرام اور اعمال حج — سراج احمد علوی (پاکستان) — ۱۶

عازمین حج کی خدمت میں چند باتیں — مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی — ۱۹

وفیات:

عزیزہ امامہ مرحومہ — (مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی — ۲۰

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی کی وفات — ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی — ۲۲

روداد چمن:

ندوہ کے لیل ونہار — ا۔ش — ۲۳

رپورٹ رابطہ ادب اسلامی — صدرالحسن ندوی — ۲۴

امریکی قیادت اور عالمی ضمیر — پروفیسر خورشید احمد — ۲۵

درس عبرت:

زلزلہ پاکستان، چند حقائق اور آنکھوں دیکھا حال — ۲۷

انسانی قیادت کے لئے وحی الٰہی سے مربوط علم کی ضرورت — محمد جاوید اختر ندوی — ۳۰

آپ کے پتہ کے کنارے خریداری نمبر کے نیچے کالی یا لال لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا

شعروادب

میرا سلام لے جا

مدینے کو جانے والے
ایک دوست سے

قسمت کے آسماں پر سیمائے کہکشاں پر
چمکا تیرا ستارا
اس در پہ حاضری کا تجھ کو ہوا اِشارا
اے بختیار بندے
اے کامگار بندے
تیری مراد مندی تقدیر کی بلندی
تجھ کو پکارتی ہے
آ باریاب ہو جا!
اے ذرّۂ محبت جا آفتاب ہوجا
دربار میں چلا ہے
سرکار میں چلا ہے
رختِ سفر اُٹھا لے اللہ کے حوالے
یثرب کے جانے والے بس اِک پیام لے جا
میرا سلام لے جا
میری یہ سرد آہیں یہ منتظر نگاہیں
ان کا خیال کرنا
لیکن نہیں مناسب کچھ عرض حال کرنا
وہ جانتے ہیں سب کچھ
پہچانتے ہیں سب کچھ
ناشاد آرزوئیں برباد آرزوئیں
بے تاب ہو رہی ہیں
تاہم خموش رہنا
آنکھوں سے دیکھتا جا منہ سے مگر یہ کہنا
یہ صبح وشام میرے
سب سامنے ہیں تیرے
ان سے کوئی بھلائی دیتی نہیں دکھائی
لے جا سکے تو بھائی یہ صبح وشام لے جا
میرا سلام لے جا
ہر چیز کھو چکا ہوں برباد ہو چکا ہوں
یہ زندگی ہے میری
اس وقت پاس میرے شرمندگی ہے میری
کچھ ارمغاں نہیں ہے
جزایں و آں نہیں ہے
مفلس ہوں بے نوا ہوں کچھ بھی نہیں میں کیا ہوں
تحفے نہ مانگ مجھ سے
نادم نہ کر خدارا
دل تیرے پاس ہو تو دے دے مجھے ادھار
میرا کلام کیا ہے
یہ جنس خام کیا ہے
یہ ارمغاں خوشی سے چاہے تو ہاں خوشی سے
اے مہرباں خوشی سے یہ جنس خام لے جا
میرا سلام لے جا
فریاد وہاد ہو میں صہبائے آرزو میں
وہ جوش ہی نہیں ہے
ٹوٹا ہوا بھی دل ہے خاموش ہی نہیں ہے
سرشار کرنے والی
شے ہو چکی ہے خالی
میخانۂ یقین سے اس کیف بہتریں سے
ایمان آتشیں سے
پھر اس کو بھر کے لانا
پینے چلا ہے تو بھی اور مجھ کو بھی پلانا
ٹوٹا ہوا ہے بے شک
پھوٹا ہوا ہے بے شک
ہے عرض دست بستہ گو دور کا ہے رشتہ
اور جام بھی شکستہ لیکن یہ جام لے جا
میرا سلام لے جا
یہ اشک ریز آنکھیں طوفان خیز آنکھیں
اب خشک ہوچکی ہیں
دریا کہاں سے لائیں قطرے کو رو چلی ہیں
ورنہ یہ آرزو تھی
مدت سے جستجو تھی
کشتی بنا کے دل کو اور پھر سجا کے دل کو
یثرب کے جانے والے
اس میں تجھے بٹھاؤں
دنیائے سرمدی کے ساحل پہ لے کے جاؤں
خیر اے دلیر اچھا
ہوتی ہے دیر اچھا
جا ہر طرح سلامت لے جا مری محبت
لے جا میری عقیدت میرا سلام لے جا
میرا سلام لے جا

حفیظ جالندھری

ہوشیار اے ملّتِ بیضائے ما!

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی (مدظلہ)

(اتر پردیش کے پرتاپ گڑھ ضلع میں ۲۸ر نومبر ۲۰۰۵ء کو بڑے پیمانے پر ایک دینی تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے صدر عالی قدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے جو کلیدی خطبہ دیا وہ بڑا فکر انگیز ہے، اس کی تلخیص افادۂ عام کی غرض سے پیش کی جارہی ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام کی دولت عطا فرمائی ہے، یہ ایسی دولت ہے جس کا فائدہ دنیا کی زندگی اور دنیا کے بعد کی زندگی دونوں میں ہم کو حاصل ہوتا ہے، لیکن جس طرح زندگی کی دوسری دولتوں کو چرایا اور چھینا جاسکتا ہے، اور اس بات سے ہم کو اپنی ان دولتوں کے لئے خطرہ محسوس ہوتا رہتا ہے، اسی طرح ہماری اس دینی دولت کو بھی جس کو ہم اسلام کہتے ہیں خطرہ محسوس کیا جانا چاہئے، کیونکہ اس کو بھی ہم سے چرایا اور چھینا جاسکتا ہے، لہٰذا جس طرح ہم اپنی دوسری دولتوں کی حفاظت کی فکر اور انتظام کرتے ہیں اسی طرح ہم کو اس دولت کی حفاظت کی بھی فکر اور اہتمام کی ضرورت ہے۔

اسلام کا بنیادی مزاج وطبیعت انسانی زندگی کا وہ مزاج اور طبیعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدائشی طور پر رکھا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ ”ہر لڑکا جب پیدا ہوتا ہے تو وہ بنیادی طور پر اللہ کی دی ہوئی صحیح فطرت یعنی بنیادی مزاج وطبیعت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس میں فرق وتبدیلی اس کے ماں باپ اس طرح کرتے ہیں کہ اگر یہودی ہیں تو یہودی بنا لیتے ہیں، عیسائی ہیں تو عیسائی بنا لیتے ہیں، مجوسی ہیں تو مجوسی بنا لیتے ہیں۔“ حدیث کے الفاظ ہیں: ﴿کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواہ یھوّدانہ و ینصّرانہ و یمجّسانہ﴾ (۱)۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ماں باپ اگر مسلمان ہیں تو وہ اپنی اولاد کو صحیح فطرت پر جو خدا کے پسندیدہ دین یعنی اسلام کی فطرت ہے باقی رکھ سکتے ہیں، اور اس کو اسی مزاج وطبیعت کے مطابق بنا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر بنیادی طور پر رکھا ہے۔ اور اگر وہ اس کی فکر نہ کریں گے، اور غیر اسلامی مزاج وطبیعت کو اس پر اثر انداز ہونے دیں گے تو اس کی طبیعت وکردار ایسا نہ بن سکے گا جیسا اس کے خالق اور پروردگار اللہ تعالیٰ نے اس میں بنیادی طور پر رکھا ہے، اور اس کے لئے اس کو پسند فرمایا ہے، اور وہی اسلامی مزاج وطبیعت ہے۔ اگر مسلمان ماں باپ اپنی نومولود اولاد کے فطری مزاج وطبیعت کے مطابق اس کے اخلاق وکردار کی فکر نہیں کرتے تو پھر وہ نومولود اولاد اپنے ماحول اور اردگرد کے اثرات سے متاثر ہوکر کچھ اور بنے گی، وہ جیسا ماحول ہوگا ویسی بن جائے گی۔ بہرحال بچہ کے پیدائشی مزاج وطبیعت کو اس کے اچھے اور خدا کے عطا کردہ حال پر بھی قائم رکھا جاسکتا ہے اور اس کو بدلا بھی جاسکتا ہے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمان ماں باپ پر اس کو قائم رکھنے اور اس کو بدلنے اور خراب ہونے سے بچانے کی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے، لہٰذا ہم کو اپنی اس ذمہ داری کو سمجھنے اور پوری کرنے کی طرف توجہ کرنا ہے، اب ہم اس کا جائزہ لیں کہ ہم اپنے بچوں میں خدا کی عطا کی ہوئی طبیعت ومزاج کو قائم رکھنے کی کہاں تک فکر کرتے ہیں؟۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحیح مزاج وطبیعت کو جو خدا کی دی ہوئی طبیعت ہے، باقی رکھنے یا اس کے تبدیل کردینے کی پہلی ذمہ داری ماں باپ پر آتی ہے، کیونکہ بچہ کا پہلا نشو ونما ماں باپ کی ہی سرکردگی اور فکرمندی میں ہوتا ہے، یہیں سے بچہ کا اٹھان ہوتا ہے، اور اس میں عقائد اور اعمال واخلاق کی بنیاد بنتی ہے، اور یہ کسی بھی انسان کی زندگی کا اہم ترین مرحلہ ہوتا ہے، اور یہی انسان کے عقائد واعمال اور اخلاق کے ڈھانچہ کا بنیادی پتھر بنتا ہے، اور اسی پر اس کے آگے کی عمارت قائم ہوتی ہے، لیکن اس کی زندگی کے اس بنیادی پتھر پر ہی بات ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ آگے کا مرحلہ جو اس کے عقائد واخلاق وکردار کے پختہ ہونے اور مضبوط بننے کا ہے، جو اس کے بعد کا مرحلہ ہوتا ہے، وہ تعلیمی مرحلہ ہے، جو ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مرحلوں پر مشتمل ہوتا ہے، اور انسان کو اپنی زندگی کو کارآمد اور فعال بنانے کے لئے ان مرحلوں کو مناسب ڈھنگ سے انجام دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ علم کا حصول انسان کی اہم ضرورت ہے، جس کے لئے اسکول وکالج قائم کئے جاتے ہیں، ان کے نظام ونصاب میں انسان کی ضرورت اور انسان کے اخلاق وکردار کی خوبی کا لحاظ کرنا ہوتا ہے، اور سب کو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تعلیم کے صحیح نظام سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

اس میں ابتدائی تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے، یہ بچہ کی پہلی اور بڑی اہمیت رکھنے والی تعلیم ہوتی ہے۔ ماں باپ کے گھریلو ماحول سے جب بچہ آگے بڑھتا ہے اور اس کی تعلیم کا ابتدائی مرحلہ شروع ہوتا ہے تو یہ مرحلہ بچہ کا اپنے بچپنے میں ماں باپ کی سرپرستی کے مرحلہ سے ہی ملتا جلتا اور اس کے معا بعد کا ہوتا ہے۔ اس میں بچہ کے رجحانات اور اس کے تصورات مزید بڑھتے، اور اس کے عقائد کی بنیادیں مضبوط ہونے لگتی ہیں، اور زندگی کی عملی ضرورت کی معلومات بھی اس کو حاصل ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ بچہ کی ابتدائی

زندگی کے ان دونوں مرحلوں میں بچہ کا یہ خاص مزاج ہوتا ہے کہ وہ ہر دیکھی جانے والی چیز اور سنی جانے والی چیز سے تأثر لیتا اور سیکھتا جاتا ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر فن تعلیم کے بعض مفکرین نے اس مرحلۂ زندگی کو دیگر مراحل زندگی کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی ہے، چنانچہ مانٹیسری نظام تعلیم اسی نقطۂ نظر کے مطابق وہ چلاتے ہیں۔

اس طرح تعلیم کی اہمیت کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا، خاص طور پر اس مختلف مذاہب اور مذہبی رجحانات رکھنے والے ملک میں بہت ضروری ہے کہ تعلیم کے بنیادی مرحلہ میں صرف زندگی کی ضروری معلومات ہی نہ پیش کی جائیں، بلکہ اخلاق کو سنوارنے کی باتیں بھی فراہم کی جائیں، اور نظریات و کردار کی تعمیر کا بنیادی کام بھی انجام پائے۔

تعلیمی عمل ابتدائی مرحلہ میں تو خاص اہمیت رکھتا ہی ہے، لیکن وہ آگے کے مرحلوں میں بھی کم اہمیت کا مالک نہیں۔ یہ عمل انسانی زندگی کا وہ اہم ترین عمل ہے جس کے اثرات گہرے اور دور رس ہوتے ہیں، وہ جس رجحان اور مقصد کے تحت کیا جاتا ہے اسی کے مطابق نتائج پیدا ہوتے ہیں، نوعمر انسان کو جیسی تعلیم دی جائے گی ویسا ہی ذہن بنے گا، اور اسی کے مطابق تربیت ہوگی۔ مشہور شاعر اکبر الہ آبادی جو سول سروس کے بڑے عہدہ دار تھے جدید تعلیم یافتہ تھے، لیکن دین کی اہمیت سمجھتے تھے، اور تعلیم کا جو اثر آدمی کے رجحانات پر پڑتا ہے، اس کو جانتے تھے۔ انہوں نے اس کی اہمیت بتاتے ہوئے اپنے طنز آمیز لہجہ میں یہ بات ظاہر کرتے ہوئے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرایا تھا، تاکہ اس کی حکومت کے لئے وہ خطرہ نہ بن جائیں، لیکن وہ اگر تعلیم کا ذریعہ استعمال کرتا تو اس کو اس طرح قتل کرانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، وہ تعلیم کے ذریعہ ان کی طبیعت و شخصیت بدل سکتا تھا، وہ کہتے ہیں:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یعنی اگر فرعون اسکول و کالج کا تعلیمی نظام اپنا لیتا تو اس کو خون خرابہ کرنے کی نوبت نہ آتی۔ انگریز جب اس ملک میں آئے تو انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا، اور اپنے مقصد کے مطابق نظام تعلیم بنایا، وہ یہ تھا کہ مسلمان بچے ان نظریات و خیالات کے حامل بن جائیں کہ انگریزوں کے ارادوں اور منصوبوں کو پسند کریں، اور ان کو انجام دینے میں خوشی خوشی مدد کریں۔ اور انگریزوں نے اس طریقہ سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی، اور اس وقت کے بہت سے لوگوں میں اس تعلیم سے اپنے مذہب کی بے وقعتی اور انگریزی نظام زندگی کی عظمت پیدا ہوئی۔

بچہ کی تعلیم و تربیت کا ابتدائی جو مرحلہ جو ماں باپ کے علاوہ دیگر لوگوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اسکول کے ذریعہ ہو یا اردگرد کے ماحول کے ذریعہ، وہ بہت اہمیت رکھتا ہے، خاص طور پر اسکول و مدرسہ کی تعلیم وہ اہم ذریعہ ہے جس کو اگر بچوں کی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی فکر کرنے والے صحیح فکرمندی اور اہتمام کے ساتھ انجام نہیں دیتے تو بچہ کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی عمارت سیدھی اور صحیح کھڑی نہیں ہوسکتی، بلکہ اس میں ایسا بگاڑ پیدا ہوسکتا ہے کہ جس کے نتائج مستقبل میں بڑے سنگین ہوسکتے ہیں، اور معاملہ صرف دنیا کی حد تک ہی محدود نہیں رہ جاتا بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں افسوس ناک صورت حال پیش آسکتی ہے۔ ہم کو اس حقیقت کو ضرور اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہم ہندوستان میں ایک مخلوط ماحول میں رہتے ہیں، جہاں ہر طرح کے عقائد و اعمال و اخلاق کے لوگ زندگی گزار رہے ہیں، اور سماجی زندگی، اور اخلاقی اور دینی زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں، طرح طرح کے مذہبی عقائد اور طریقہ ہائے زندگی ہیں، اور ہر ایک کے اسکول و کالج ہیں، ہر ایک کی تعلیم گاہیں ہیں، اور ہم کو آپس میں مل جل کر رہنے کی بنا پر ان مختلف اسکولوں اور کالجوں سے اور درسگاہوں سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے، ہمارے بچے ان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، لہٰذا اپنے مذہب اور خدا اور رسول کے حکموں کی تابعداری میں ہمیں اس بات کی فکر کرنا ضروری ہے کہ ہمارے بچے وہ باتیں ضرور سیکھیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی صحیح فطرت کے مطابق اور اسلامی تعلیمات کی رہنمائی میں ہوں، اور کم از کم یہ بات تو ضروری ہے ہی کہ بچہ نے اپنے مسلمان ماں باپ اور بزرگوں کی فکرمندی و سرگردگی سے اپنے گھر میں جو اچھی باتیں سیکھی ہیں وہ بدل نہ جائیں، کیونکہ ہندوستان کے آزاد ہوجانے کے بعد اسکولوں کی جو تعلیم سامنے آئی اس میں ایسے عقائد و رجحانات بھی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے بہت خلاف ہیں۔ اسی بات کو دیکھ کر ہمارے بزرگوں نے بڑی فکرمندی محسوس کی، اور مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ وہ اس بات کی فکر کریں کہ ہمارے صحیح دینی عقائد و اعمال سے ہماری نئی نسل دور نہ ہوجائے، اور اس کے خیالات ملحدانہ یا کافرانہ و مشرکانہ نہ ہوجائیں۔

اگر سیکولرزم کی بنیاد پر سب مذاہب کو اپنے حقوق قائم رکھنے کا حق نہ بھی ہو تو بھی اسلام وہ مذہب ہے جس کے عقائد و اعمال و اخلاق کا ضابطہ یہی نہیں کہ وہ لازمی اور دینی فریضہ ہیں بلکہ مسلمان کی زندگی کی کامیابی کے لئے اور اپنے پروردگار کی ناراضی سے بچنے کے لئے ضروری ہیں، اور آخرت کی زندگی میں تو کامیابی کا انحصار ان ہی عقائد و

اعمال پر ہے، اور آخرت کی زندگی وہ زندگی ہے جس کی مدت کبھی ختم نہ ہوگی، اور اس میں عافیت و سلامتی ملے گی تو ہمیشہ کے لئے ملے گی،

اور نہ ملی تو ہمیشہ کے لئے مصیبت ہے، اور وہاں کی کامیابی اسلام کے دیئے ہوئے عقائد و اعمال و اخلاق کی پابندی ہی سے حاصل ہوگی۔ اسلام توحید کا مذہب ہے، اس میں خدائے واحد ہی کو مانا جاتا ہے، اور اسی کی عبادت کی جاتی ہے، جب کہ دوسرے بعض مذاہب میں ہر ایسی چیز کی عبادت ہوتی ہے جس سے انسان کو نفع یا ضرر ہو، خواہ وہ کیسی ہی معمولی مخلوق ہو، مثلاً زمین و درخت و دریا، اور تاریخ ماضی کے بعض نیک انسان، لیکن مسلمان ان سب کو خدا کی مخلوق سمجھتا ہے، اور ان کو بالکل قابل عبادت نہیں سمجھتا۔

انسان اگر ایسے ماحول میں رہتا ہے جہاں شرکیہ یا کفریہ عقائد و اعمال کا چلن ہو تو بار بار اور ہر وقت ان کو دیکھنے کی بنا پر ان کی ناپسندیدگی کا خیال کچھ نہ کچھ دل سے کم ہوتا جاتا ہے، حتی کہ کبھی کبھی تو ان کو بار بار دیکھنے والا ان سے متاثر ہو کر ان کو اختیار کرنا چاہتا ہے، شرکیہ اور کفریہ ماحول میں رہنے کی صورت میں اس خطرہ کو سمجھنا چاہئے۔ بنی اسرائیل کے برگزیدہ نبی اور مورث حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت یہی خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنے بیٹوں کو جمع کیا تھا اور پوچھا تھا کہ اے بیٹو! تم میرے مرنے کے بعد کس اور کی تو بندگی کرنے نہیں لگو گے؟ اور جب ان کے بیٹوں نے یہ اطمینان دلایا کہ نہیں اے ابا جان! اسی خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس کی بندگی آپ نے، آپ کے والد حضرت اسحاق نے، اور آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہم السلام نے کی، حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ اطمینان حاصل کرنے کے بعد ہی چین ملا۔ یہ تھے اللہ کے نبی جن کو خدائے واحد کی بندگی کی اتنی فکر رہتی تھی کہ اپنے بیٹوں کے لئے آئندہ حالات سے ڈر کر ان کے ایمان کے متعلق اطمینان حاصل کیا، کیونکہ ان کو مصر کے شرکیہ و کفریہ ماحول میں رہنا تھا، آج ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کو اپنی اولاد کے دین اور سیرت و اخلاق کے سلسلہ میں کتنی فکر ہے؟۔

ہر ملک کے ہر شہری کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ جائز دنیاوی معاملات اور ملک و قوم کی بے ضرر سربلندی کی فکر و کوشش کرے، اور اس کی خاطر بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرے، اور زیادہ سے زیادہ علمی و عملی صلاحیت پیدا کرے، یہ اس کا انسانی حق بھی ہے اور ملک کے شہری ہونے کے لحاظ سے بھی یہ حق بنتا ہے، تو جہاں اس کے لئے یہ ضروری ہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کردار اچھا ہو، اور اس کے عقائد و اعمال صحیح ہوں۔ اور وہ انسانیت نواز صفات سے اپنے کو آراستہ کرے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ملک میں رائج تعلیمی سہولتوں سے پورا فائدہ اٹھانا ہے، لیکن اپنے مذہب اور عقائد کے معاملہ میں ضروری احتیاطیں بھی رکھنا ہے۔

کسی بھی ماحول کا اثر اس کے رہنے والوں پر عام حالات میں ضرور پڑتا ہے، ایسے ماحول میں جہاں شرک و کفر کو برا نہ سمجھا جا رہا ہو، اور وقتاً فوقتاً اس کے سامنے آنے کا موقع پیدا ہوتا رہتا ہو، اس کے مخالف اسلام ہونے کا ہمارا احساس کمزور پڑ سکتا ہے، اس لئے ہم سب کو بہت چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ بنی اسرائیل جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، جن کا ذکر ابھی آپ نے سنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد مصر کے ملک میں صدیوں رہے تھے، وہاں فرعون کی تعلیمات اور فرعون کے مشرکانہ عقائد پر عمل وہاں کی قوم کرتی تھی، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وہاں سے لے کر مصر سے باہر آگئے تو مصر کے دوران قیام بنی اسرائیل نے جو بت پرستی دیکھی تھی، اس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ ایک جگہ بت پرستی کا جب ایک جتھا انہوں نے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی ایسا کوئی انتظام کر دیجئے، ہم بھی اس طرح کر کے اپنی طبیعت کو خوش کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ناراض ہوئے اور بتایا کہ تم تو توحید کے عقیدہ والی اور خدائے واحد کی ماننے والی امت ہو، ایسی الٹی بات کا مطالبہ کرتے ہو، تو انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی۔

یہ تھا اس صورت حال کا اثر جو بنی اسرائیل پر مصری ماحول کا پڑا تھا، آج ہم اس ملک میں اسی طرح کے ماحول میں رہتے ہیں، اس لئے ہم کو بہت چوکنا اور ہوشیار ہونا چاہئے، اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ قائدین ملت تو حالات پر اور تعلیمی نظام پر نظر رکھیں اور غلط باتوں سے ہوشیار کرتے رہیں، اور عام مسلمان ہوشیار رہیں۔ مشرکانہ اور کافرانہ ماحول سے خود بھی بچیں اور اپنی اولاد کو اس سے متاثر ہونے سے بچائیں، اس کے لئے اپنے گھروں میں بچوں کو باتوں باتوں میں صحیح عقاید و اعمال کی تلقین کرتے رہا کریں، اور پھر تعلیم کا سرمایہ آنے پر اسکولوں کے رویے اور وہاں کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں بھی ہوشیار رہنا چاہئے۔ اور جیسا کہ میں نے کہا کہ جس طرح ہم اپنی دیگر دولتوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ چور چرا نہ لیجائے، اور ڈاکو ڈاکہ مار کر نہ لیجائے۔ اسی طرح ہم کو اپنے عقاید و مذہبی معاملات کو اپنی عظیم دولت سمجھتے ہوئے ان کی بھی حفاظت کرنا ہے کہ ماحول کے اثر سے اور اسکول کی تعلیم سے یہ دولت ہم سے چھینی نہ جاسکے، اور ہم کو اس سے محروم نہ کیا جاسکے۔

ہم بحیثیت مسلمان خیرامت ہیں، ہماری غیرت کا بھی تقاضہ ہے کہ ہم کو خدائے واحد نے اپنے نبی کے ذریعہ جو دین عطا فرمایا ہے، اور جس کی قدر و حفاظت کا فرض ہم پر پوری سختی کے ساتھ عائد ہوتا ہے، ہم اس فرض کی پابندی کریں اور اپنے بچوں کو کم از کم گھر کے اندر، پھر ابتدائی تعلیم کے مرحلہ میں اپنے دین کی بنیادوں عقیدۂ توحید اور عبادت و اخلاق سے نہ صرف یہ کہ واقف کرائیں بلکہ ان کی غیرت و حمیت بھی ان کے اندر ایسی پیدا کریں کہ وہ کسی خطرہ کے موقع پر بھی ثابت قدم رہیں، اور ان کا دین و ایمان سلامت رہے، اور آخرت میں بھی ہم اپنے اہل و عیال کے ساتھ سرخرو ہوں، اور اپنے نبی کریم محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی مسرت اور اپنے خدائے واحد کی خوشنودی حاصل کرسکیں۔ و ما علینا إلا البلاغ۔

چراغِ راہ

جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اَلْحَمْدُ لله رب العٰلمین و الصّلوٰۃ والسلام علی سیّد المرسلین وخاتم النبیّین محمّد و آلہ وصحبہ أجمعین ○ أعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○

بزرگو! دوستوں اور بھائیوں! ابھی ہم نے آپ کے سامنے جو آیتیں پڑھی ہیں وہ سورۂ اِقراء کی آیتیں ہیں۔ عرصہ سے دستور چلا آرہا ہے کہ جب تسمیہ خوانی بچہ کی ہوتی ہے تو اسی آیت کو پڑھایا جاتا ہے، ابھی تھوڑی دیر پہلے اس مدرسہ کی عمارت کے افتتاح میں ایک بچی کو مندرجہ بالا آیت پڑھا کر آرہا ہوں۔ میں آپ کو اس سلسلہ میں کچھ حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضرات! یہ بات سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اشارے اور الہام سے نبوت کا منصب جب ملنے والا تھا، اس وقت حالات کے تقاضے، مکہ مکرمہ جزیرۃ العرب اور ساری دنیا کے حالات کو دیکھ کر جو تڑپ آپ کے اندر پیدا ہوئی، اور پھر اس سوچ، بے چینی اور فکر نے آپ کو غارِ حراء میں کئی کئی دن عبادت کرنے پر مجبور کر دیا اور جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال بعد پہلی مرتبہ آسمان کا زمین سے وحی کے ذریعہ پہلا تعلق قائم ہو رہا ہے۔ اس وقت اگر تمام دنیا کے ذہین ترین دانش وروں، مفکروں، معلموں، فلسفیوں اور جینیس ترین انسانوں سے کہا جاتا کہ آپ غور وفکر کر کے بتائے کہ پانچ سو سال بعد پہلی مرتبہ وحی آنے والی ہے ایسے موقع پر اس دنیا کو کیا پیغام ملنے والا ہے، اس کو کس بات کی تعلیم دی جانے والی ہے، آپ کے سامنے ساری دنیا کے حالات ہیں، پوری نوع انسان کی بیماری، اس کی جہالت، ناسمجھی، خالق کائنات سے ناواقفیت کروڑوں معبودوں کی پرستش ہو رہی ہے، تمام لوگوں پر گویا شرک کا شامیانہ سا تنا ہوا ہے، یہ وحی ایسے ملک میں نازل ہو رہی ہے جو ناخواندہ ہے، جس پر وحی نازل ہو رہی ہے وہ خود بھی ناخواندہ اُمی ہے، اس کی پوری قوم ان پڑھ ہے یہودیوں نے بھی ان کو امین کے لقب سے پکارا ہے اور کہا ہے: "لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ" اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمی کے لقب سے نوازا ہے جو آپ کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ ایسے موقع پر ذہین ترین انسان بھی یہ پیشین گوئی نہیں کر سکتے تھے کہ پہلی وحی میں اِقراء، علم اور قلم کا تذکرہ ہوگا، اس لئے کہ پورے مکہ مکرمہ میں بڑی مشکل سے تلاش بسیار کے بعد شاید دو چار قلم مل سکتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی اور آپ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں حضرت خدیجہ رضہ اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو وہ آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جن کے متعلق اس وقت کہا جاتا تھا کہ وہ لکھتے پڑھتے تھے گویا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ وہ لکھتے پڑھتے تھے۔ ایسے ناخواندہ ماحول میں ایک اُمی پر وحی کا جو پہلا لفظ نازل ہوتا ہے وہ اِقراء کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ پڑھنے لکھنے کا دور آنے والا ہے۔ علم اور قلم کا عہد شروع ہونے والا ہے لیکن صرف پڑھنا کافی نہیں کہ بعض اوقات صرف پڑھنے نے زہر کا کام کیا ہے، اس پڑھنے نے فکری غارت گری اور وحشت وبربریت سکھائی ہے، جنگوں کا طریقہ سکھایا ہے، ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم اور زہریلی گیس کے ذریعہ مارنے اور انسانی آبادی کو تہس نہس کرنے کا طریقہ سکھلایا ہے۔ علم کی تباہی وبربادی کے بہت سے کام لئے گئے، اب بھی سائنس اور ٹکنالوجی سے انسانوں کو تباہ وبرباد کرنے کا کام لیا جارہا ہے۔ اس لئے خالی علم معتبر نہیں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے۔ اس نے پہلا لفظ اِقراء کہا، آپ پڑھئے۔ اب پڑھنے کی ضرورت ہے۔ علم کو دنیا میں پھیلنا چاہئے، علم صحیح، علم توحید، علم ربانی، علم اخلاق، علم خود شناسی وخدا شناسی، جس علم میں یہ نہ ہوں وہ علم معتبر نہیں۔ آج دنیا میں جو تباہی وبربادی آرہی ہے، یہ انسان کشی ہی نہیں قوموں کی قومیں اور ملکوں کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے جو ایٹم بم ایجاد ہوئے ہیں جرائم کے لئے جو ایجادات ہو رہی ہیں وہ سب اس علم کا کارنامہ ہے جو خدا کے نام کے بغیر ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اِقراء

کے ساتھ یہ شرط لگاتا ہے کہ اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھئے گا جب اس علم کا فائدہ ہوگا۔

میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں انصاف کے ساتھ تاریخ لکھی جائے اور یہ تحقیق کی جائے کہ علم نے کب اپنا راستہ بدلا، وہ کب تعمیر کے بجائے تخریب کا ذریعہ بنا تو ایک منصف آدمی یہ بتائے گا کہ جب سے علم کا رشتہ خالق اور مالک اور رب کائنات سے ختم ہو گیا جب ہی سے یہ تباہی وبربادی آئی جو علم اللہ تعالیٰ کے نام سے الگ ہو کر چلا وہ قابل اعتبار نہیں رہا، اس علم سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے تو پہلے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارا خالق کون ہے، ہمارا مالک اور پالن ہار کون ہے۔ بڑے بڑے دانشوروں، معلموں اور فلسفیوں کو جب یہ نہیں معلوم کہ ان کا پیدا کرنے والا کون ہے، نیکی اور بدی میں کیا فرق ہے، ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے، وہ ہمیں کون سا عقیدہ دیتا ہے، وہ ہمیں کس راستہ پر لگانا چاہتا ہے، وہ ہمیں اس کائنات، عام انسانوں اور اس دنیا اور اس کے انجام کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہئے۔ جب ان بنیادی سوالوں کا صحیح علم نہ ہو تو پھر اس میں زہر میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ایک منٹ میں سیکڑوں انسانوں کو تباہ وبرباد کر سکتا ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے ہماری صلاحیتیں اور ارادے سب اس کے قبضے میں ہیں، وہ عالم الغیب ہے تو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے پڑھیے اپنے رب کے نام سے، جس نے انسان کو پیدا کیا خون کے ایک لوتھڑے سے، جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا وہ انسان کس طرح اپنی حقیقت کو فراموش کر کے غرور وتکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر خون ریزی اور جبر وتشدد کا بازار گرم کر دیتا ہے آج انسان اپنی حقیقت بھولتا جارہا ہے، ہمارا ہندوستان بھی اب اس حقیقت کو بھولتا جارہا ہے حالانکہ یہاں ان کے جاننے کے ذرائع جتنے پہلے تھے۔ اتنے اب بھی ہیں۔ پھر جب اسلام آیا تو گھر گھر یہ بات پھیل گئی۔

اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○

آپ دیکھئے کہ اس امت نے تھوڑی سی مدت میں کتنے بڑے بڑے کتب خانے قائم کر دیئے۔ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس درجنوں کی تعداد میں بھی کتابیں نہیں تھیں، لیکن جب سے مسلمانوں میں کتب خانوں کا رواج ہوا تو ہر فن میں انھوں نے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں تیار کر کے پوری دنیا میں پھیلا دیں۔ یہ سب قلم اور علم کی بدولت ہوا، پہلی وحی نے یہ بتا دیا کہ اب علم اور قلم کا دور شروع ہونے والا ہے اور اس امت کا رشتہ قلم کے ساتھ قائم رہے گا، ہزاروں انقلاب آئیں گے لیکن مسلمانوں کا رشتہ قلم سے کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

ہندوستان ہی کو دیکھ لیجئے، مسلمانوں میں کتنے بڑے بڑے مصنفین اور مفکرین پیدا ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، پھر اردو ادب وشاعری کی تاریخ میں علامہ اقبالؒ جیسے شاعر وفلسفی ومبصر ومفکر کو دیکھ لیجئے کہ دنیا ان کے کلام پر سر دھن رہی ہے۔

حضرات! آج پوری کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کا مخصوص کلچر ختم ہو جائے، علم سے ان کا رشتہ ٹوٹ جائے، اردو سے ناواقف رہیں، اپنے مخصوص عقیدے اور اسلامی تہذیب سے ان کا واسطہ ختم ہو جائے اس کی پوری تیاری کر لی گئی ہے کہ مسلمان فکری واعتقادی اور تہذیبی ارتداد میں مبتلا ہو جائیں۔ اس کا پورا منصوبہ تیار ہے، ایسے سنگین حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان جگہ جگہ مکاتب ومدارس قائم کریں، محلوں اور مساجد میں صباحی وشبینہ مکاتب قائم کئے جائیں یہ امت محمدی ہے۔ علم اور قلم سے اس کا رشتہ جوڑ دیا گیا ہے، بغیر علم کے مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، قرآن وحدیث علم کے ذریعہ ہمیں جو حقائق بتائے گئے ہیں۔ ان کے جانے بغیر یہ دین نہیں رہ سکتا، بعض مذاہب اور ان کے پیشوا چاہتے ہیں کہ علم پھیلنے نہ پائے کہ علم میں ان کو اپنی موت نظر آتی ہے اس کی مثال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اس واقعہ سے دیا کرتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ ایک بار مچھروں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مقدمہ دائرہ کیا کہ ہوا کی وجہ سے ہم کو پریشانی ہوتی ہے، اور ہم کہیں ٹھہر نہیں پاتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہوا کو حاضر کیا جائے۔ جب ہوا دربار میں حاضر کی گئی تو مچھر اڑ گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ جب تک مدعی نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ حال علم کا ہے کہ جب تک علم صحیح نہ ہوگا اس وقت تک یہ دین باقی نہیں رہے گا۔

حضرات! اب ہمارا اور آپ کا بنیادی کام یہ ہے کہ علم دین کو پھیلانے کے لئے یا مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لئے آئندہ نسلوں کے دین اور عقیدے اور تہذیب اور اسلامی تشخص کی ہے حفاظت اور بقاء کے لئے بڑے پیمانے پر دینی مکاتب اور مدارس قائم کریں اپنے بچوں کو کفر وایمان کا فرق بتائیں شرک وبت پرستی کی شناعت ان کے دل ودماغ میں بٹھا دیں۔ اور اس بات کی ضمانت حاصل کریں کہ ہمارے بچے آئندہ اسلام پر قائم رہیں گے۔

ضمیر زر کی ترازو میں تل رہے ہیں یہاں
کہاں کا زہد وتقدس، کہاں کا علم وہنر
کوثر نیازی

علم وآگہی

قدرت خداوندی کے سامنے

ترقی یافتہ انسان کی بے بسی

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی

آج انسان مصائب وآفات کے بھنور میں گھرا ہوا ہے، خواہ وہ کسی بھی خطۂ ارض کا رہنے والا ہو، کسی بھی مذہب کا پیرو ہو، کسی بھی تہذیب سے تعلق رکھتا ہو، بہر حال اس کی زندگی پریشانیوں اور آزمائشوں سے دوچار ہے، اور ''انسانی آزمائش'' عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ نظر آتی ہے، آج کا نام نہاد مہذب انسان کتنے ہی بلند وبانگ دعویٰ کرے کہ اس نے سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں، ستاروں پر کمندیں ڈالی ہیں اور وہ کام کرلئے ہیں جو پرانے دور کے انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے تھے، اس نے طرح طرح کی مشینیں ایجاد کرلی ہیں جن کے ذریعہ زندگی کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکتا ہے، آنے والے خطرات کو پہلے سے معلوم کیا جاسکتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود یہ روشن حقیقت ہے کہ اس کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور وہ عجیب کشمکش کا شکار ہے۔

آج کے دور میں انسان سے جو سب سے بڑی دولت چھن گئی ہے وہ ہے راحت واطمینان اور قلب کا چین وسکون، کل لوگ اپنی زبوں حالی وغریبی میں بھی چین کی زندگی بانسری بجایا کرتے تھے، لیکن آج تمام وسائل راحت کے باوجود وہ پریشان وحیران ہیں حتی کہ آج وہ کم سن اور معصوم بچے بھی ذہنی وجذباتی تناؤ اور کشمکش سے نہیں بچے ہیں جو کہ کل اس کا نام بھی نہیں جانتے تھے، اگر ان کے کسی عزیز رشتہ دار کا انتقال ہو جاتا اور تمام لوگ ماتم کناں ہوتے تب بھی وہ خوش وخرم کھیلتے پھرتے تھے، لیکن آج کا بچہ بھی اسی طرح پریشان ہے جس طرح بوڑھا اور جوان ہے۔

دوسری چیز جو آج کے انسان کی زندگی میں مفقود ہے وہ امن وامان ہے، قدیم دور میں انسان پر امن زندگی گزارتا تھا اس کو اپنی ذات، اہل وعیال اور زمین وجائداد کے بارے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا خواہ وہ کسی جنگل میں جھونپڑی بنا کر رہتا ہو، لیکن آج بڑی بڑی کوٹھیوں اور حویلیوں میں لوگوں کو امن کی دولت میسر نہیں، فوجی سیکورٹی میں رہنے والے افسر بھی اپنے کو مامون نہیں سمجھتے، اور ہمہ وقت کسی نہ کسی خطرہ سے خائف رہتے ہیں، آئے دن اخبار کی سرخیاں بتلاتی ہیں باپ کو بیٹے اور بیٹے کو باپ اور بھائی کو بھائی کی جانب سے خطروں کا سامنا ہے، فوج نے اپنے کمانڈر سے اعلان بغاوت کردیا، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج انسان اپنے عقیدہ ودین کے تعلق سے بھی مامون نہیں ہے، اس کو اپنی مرضی سے طرز زندگی اختیار کرنے کی آزادی نہیں ہے ایک عقیدہ کے ماننے والوں پر مخالف عقیدہ زور زبردستی تھوپا جارہا ہے، امن وآشتی کے زمانے میں لوگ بادشاہوں وامراء کے زیر سایہ اپنے پسند اور ذوق کی زندگی گزارتے تھے، اپنے دین پر عمل کرتے تھے جس کو آج کے تہذیب کے علمبردار ظلم وزیادتی اور غلامی کا دور بتلاتے ہیں وہ دور بھی آج سے اچھا تھا اور اس میں بھی وہ آزادی نہیں چھینی گئی اور وہ ظلم وزیادتی نہیں کی گئی جو آج کی جارہی ہے۔

آج مہذب انسان نے کیا ترقی کی؟ علم ودانش نے زندگی کو کیا دیا؟ کیا آج جنگیں نہیں ہورہی ہیں، ظلم وجور اور جبر واستبداد کی گرم بازاری نہیں ہے؟ انسانی جانوں کو ادنی مفاد کی خاطر ضائع نہیں کیا جارہا ہے؟ اور کیا آج محرومی وشقاوت کی عجیب شکلیں نہیں دیکھی جارہی ہیں، حوادث وآفات پیش نہیں آرہے ہیں؟ اگر کوئی عقل مند ان سوالات پر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو وہ اس حقیقت کا اقرار کرنے میں کوئی تأمل نہیں کرے گا کہ انسان عاجز محض اور مجبور وبے بس ہے، اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق اور عالم الغیب والشہادہ ہے، اگر اس کی ذات پر ایمان ویقین اور توکل واعتماد سے محروم ہے تو یہ انسان بے حیثیت ہے اللہ کی قدرت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے ''لا معقب لحکمہ''۔

آئے دن کے حادثات وواقعات انسانوں کے سامنے اس کے دلائل وبراہین پیش کرتے رہتے ہیں، چنانچہ ''کیٹرینا'' سے جو تباہی وبربادی ہوئی اور جس تیزی سے اس نے علاقے کے علاقے صاف کر دیئے وہ سب کے سامنے ہے، اور یہ اس ملک میں ہوا جو اپنے آپ کو ''آقائے عالم'' تصور کرتا ہے، تہذیب کا علمبردار بتاتا ہے، علم وہنر پر جس کو ناز ہے، پھر ''ریٹا'' نامی دوسرا طوفان آیا، ابھی چند دنوں پہلے ہند وپاک میں ایک زبردست بھونچال آیا جس میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کی جانیں ضائع ہوگئیں، اس سے پہلے ''سونامی'' لہریں نصف ملین سے زیادہ لوگ مرگئے جس کی یہ توجیہ کی گئی تھی کہ وہ تحفظاتی ودفاعی نظام کے فیل ہوجانے کی وجہ سے پیش آیا تھا اور اس کا علم پہلے نہ ہوسکا ورنہ اس پر قابو پالیا جاتا، لیکن سوال یہ ہے کہ کسی پسماندہ ملک میں ایسا ہو تو کوئی زیادہ حیرت وتعجب کی بات نہیں لیکن جو تحفظ ودفاعی مشینری اور ٹکنالوجی اور طاقت وقوت میں اپنے آپ کو سب سے فائق مانتا ہے وہ کیونکر اپنا تحفظ ودفاع نہ کرسکا۔

نام نہاد تہذیب وتمدن کے علمبردار اور حقوق انسانی کے پاسبان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس تمام مسائل کا حل موجود ہے، اور امن وسلامتی کے تمام ذرائع مہیا ہیں، وہ انسانی حقوق کے محافظ ہیں، باہمی گفت وشنید سے مسائل حل کئے جاتے ہیں، کوئی ملک کسی ملک پر ظلم نہیں کرسکتا اس کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرسکتا باہمی تعاون وتبادلہ اس دور کا امتیاز ہے لیکن جب ایک طاقتور ملک نے دو کمزور ملکوں پر حملہ کیا اور ان کو کمزور کرکے پوری طرح اپنے شکنجہ میں کس لیا اس وقت یہ تمام دعوے کہاں چلے گئے؟ اقوام متحدہ بھی خاموش تماشائی بنی رہی اور اس نے امریکا کی انانیت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے، ایک یہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دنیا قیدیوں کو حقوق عطا کرتی ہے اور ان کا پورا احترام قائم رکھتی ہے، لیکن ترقی یافتہ ممالک کی جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے بے چارے مجبور قیدی حس ایذا وتعذیب کا سامنے کررہے ہیں وہ دنیا سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، عدالتیں اعلیٰ حکمرانوں کے منشا کے مطابق فیصلے صادر کرتی ہیں۔

پہلے جنگیں محدود پیمانے پر ہوتی تھیں اور ان کے نقصانات بھی بہت محدود ہوتے تھے، لیکن آج جنگیں عالمی پیمانہ پر ہوتی ہیں جن میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحے استعمال کیے جاتے ہیں، دہشت گرد تنظیموں اور تحریکوں کو مدد دی جاتی ہے کہ وہ معصوم جانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑیں، گھروں میں سونے والے سڑکوں پر چلنے والے بے گناہوں پر بم برسائیں، کیا موجودہ دنیا کی یہ صورت حال نہیں ہے؟ لیکن پھر بھی یہ دعوی ہے کہ آج کا دور تہذیب کا دور ہے، امن وآشتی اور عزت وناموس کے تحفظ کا دور ہے، سعادت وخدمت کا دور ہے؟!

بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ ''نیچر'' ہی خدا ہے اور انسان خود اپنا خدا ہے، وہ جو چاہے کرسکتا ہے، ان کے قبضہ وقدرت میں ہر چیز ہے اکثر اہل اقتدار اسی منطق کی طرف مائل ہیں اور اس پر ان کا عمل ہے، بعض اطباء نے جب ''کلوننگ'' (ہمزاد بنانے میں) کامیابی حاصل کی، تو وہ سمجھے کہ وہ خود خدا ہیں۔

ان اہل طاقت وقوت اور سائنس دانوں کے یہ تصورات ونظریات دین اور اہل دین کے سامنے ایک چیلنج بن کر سامنے آئے، لیکن جلد ہی خالق ارض وسما کی قدرت وحکمت سے پیش آنے والے واقعات وحادثات نے ان کے ان دعووں کو طفلانہ خیال ثابت کردیا، اور دنیا کے سامنے ثابت ہوگیا کہ ان جھوٹے خداؤں کی مثال وہی ہے جس کو قرآن اس طرح بیان فرماتا ہے:

"الم تر إلى الذى حاج إبراهيم فى ربه أن آتاه الله الملك اذ قال ابراهيم ربى الذى يحى ويميت قال أنا احيى واميت قال إبراهيم فإن الله يأتى بالشمس من المشرق فات بها من المغرب فبهت الذى كفر"

''کیا تم نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے جھگڑا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت دی تھی، جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں (اور اس نے ایک شخص کو معاف کردیا اور دوسرے کو قتل کروادیا) ابراہیم علیہ السلام نے کہا: کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تم مغرب سے نکال دو، تو وہ کافر مبہوت ولاجواب ہوگیا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

قرآن کریم نے اس طرح کے متکبرین وسرکشوں کے واقعات یہاں فرمائے ہیں تاکہ عبرت حاصل کرنے والے عبرت لیں، سورہ قلم میں باغ والوں کا واقعہ بیان فرمایا کہ انھوں نے بڑے تکبر سے کہا کہ کل ہم صبح صبح باغ کو کاٹ لیں گے اور وہ اللہ کو بالکل بھول گئے خود کو قادر سمجھتے ہوئے گئے اور سرگوشی کرنے لگے کہ دیکھو اندھیرے اندھیرے میں کاٹ لو اور کوئی مسکین یتیم نہ آنے پائے، ادھر پہلے سے اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگیا تھا اور کھیت بالکل اس طرح صاف ہوگیا کہ جیسے کاٹ دیا گیا ہو، انھوں نے جب اس کو دیکھا تو بولے شاید بھٹک کر دوسری جگہ آگئے ہیں لیکن جب غور کیا تو حقیقت سمجھ میں آگئی اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آگیا ہے اور ہم محروم ہوگئے ہیں، اور پھر پچھتائے اور چارونا چار اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور بولے

"سبحان ربنا إنا كنا ظالمين"

بالکل بعینہ یہی حال آج کے انار یکم الاعلی کہنے والے متکبرین کا ہے، قرآن مجید آج ان کو یہ دعوت دیتا ہے کہ دیکھو تکبر سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام برا ہوگا، مسلسل رونما ہونے والے حادثات سے عبرت حاصل کرو اور ایک اللہ کی ذات پر ایمان لے آؤ، وہی مالک حقیقی ہے وہ اپنی ذات وصفات میں لاشریک ہے اپنے ارادے وتدبیر میں مختار ہے، پوری کائنات اسی کے حکم کی ماتحت ہے وہ جو چاہے اور جب چاہے کرسکتا ہے "انما امره اذا اراد شيئاً ان يقول له كن فيكون" اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے'' آج اسی حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے اور اس کے مطابق عبدیت وبندگی کی زندگی گزارنے اور اس کی دعوت دینے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

(ترجمانی: عبدالرشید ندوی)

دمشق وحمص میں

(۲)

از ..... پروفیسر محمد اجتباء ندوی

۲۱ر اگست ۲۰۰۵ء کی صبح دس بجے سیرین ایرلائنز کے بوئنگ جہاز کے ذریعہ قاہرہ سے روانہ ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق ایرپورٹ پہونچ گئے، مولانا نذرالحفیظ صاحب ندوی ازہری رفیق سفر ہیں اور بہترین رفیق سفر، ان کے ساتھ بیرون ہند کے سفر کئی ہوئے ہیں لیکن پورے وفد کے ساتھ، اور چند ایک سفر کی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ کی سربراہی میں بھی سعادت حاصل ہوئی، لیکن اس بار وہ اکلوتے رفیق سفر ہیں علم وفضل، فن وادب اور قدر ومنزلت کے ساتھ سفر کے نشیب وفراز اور انجام وعواقب سے بھی واقف ہیں، اسی بناء پر پورا سفر آرام دہ اور خوشگوار رہا، قاہرہ ایرپورٹ پر ہی عالمی رابطہ ادب اسلامی کے کانفرنس میں شریک ہوئے احباب ڈاکٹر ولید قصاب، برادر ایمن احمد ذوالغنی اور دوسرے رفقاء سے ملاقات ہوگئی، پورے راستہ دونوں ایرپورٹ پر انہوں نے بڑی مدد کی، مجھے کوئی سامان اٹھانے نہیں دیا، شامی اخلاق اور عرب مہمان نوازی کا پورا حق ادا کیا، ہمیں اپنا مہمان بنانے کے لئے اصرار کیا، ہم نے معذرت کی کہ ہمیں ہمارے پہلے سے طے شدہ میزبان لینے آئیں گے، وعدہ کرلیا ہے، چنانچہ ہمارا استقبال کرنے والے موجود تھے، ان میں دمشق میں زیر تعلیم طلبہ واجد علی، سرفراز احمد اور نوشاد ندوی کے نام یاد رہ گئے ہیں، ان کے ساتھ ابو یاسر موصلی صاحب کے یہاں گئے انہوں نے ''شعلان'' کے اپنے نئے فلیٹ میں ٹھہرایا، ہمارے ہی لئے اسے تمام ضرورت وآرام کی چیزیں رکھ کر تیار کیا تھا، جب تک ہمارا قیام رہا وہ ہمارے تصرف میں رہا، بڑے مخلص، محب اور وفاشعار مہمان نواز دوست ہیں، عرب مہمان نوازی کی اعلی وشاندار مثال پیش کی۔

دمشق اس مسافر کے لئے انجان بستی اور نیا شہر نہیں تھا، اس کی کچھ عمارتیں، سڑکیں اور شاہراہیں نئی شکل اور جدید پیراہن میں نظر آئیں مگر شہر تو وہی ہے وہی دمشق ہے جو میرا شہر آرزو، یادوں کا گہوارہ، میری ذہنی وفکری نشوونما وعلمی تربیت گاہ، دعوت واصلاح کے جذبہ اور اسلام کے لئے محبت وجاں نثاری کا حوصلہ عطا کرنے کا عظیم مرکز، میرا مادر علمی، اساتذہ، شیوخ، بزرگوں، اخوان واحباب کا وطن وآرام گاہ ہے، قلب وذہن اور حافظہ انہیں خوشگوار یادوں، خوشحال، پرامن اور سنہرے دنوں کی شخصیتوں، انجمنوں جماعتوں، عظیم کارناموں کے صفحات پلٹنے میں محو تھا کہ میرے رفیق سفر کی آواز سنائی دی، ہم شہر میں داخل ہورہے ہیں بے اختیار میری زبان پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر جاری ہوگیا:-

للہ درعصابة نادمتهم
يوما بجلق فی الزمان الأول

''کیا ہی خوب تھے وہ احباب جن کی کسی روز گذشتہ عہد کے دمشق میں رفاقت حاصل ہوئی تھی''

دنیا کے دوسرے شہروں کی طرح دمشق نے بھی تعمیر وترقی کی منزلیں تیز رفتاری کے ساتھ طئے کی ہیں، وہ درودیوار اور گلی کوچے جو نظروں میں تھے اور ان سے نگاہیں مانوس تھیں ان میں سے کچھ اپنا وجود کھو چکے تھے اور چند ایک کے رنگ وروپ تبدیل ہوگئے تھے تاہم شہر تو وہی تھا اور آثار ودیار ادارے اور قدیم یادگاریں اپنی انہیں شکلوں میں ہیں دیکھتے ہی خوشی سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں، قیامگاہ پہونچ کر اپنے رفقاء واحباب کو فون سے اپنے دمشق پہونچنے کی اطلاع کی، رفیق درس شیخ ہشام برھانی، ڈاکٹر صلاح کفتارو اپنے محب ومخلص میزبان استاذ یاسر موشلی (ابوعمار) کو قاہرہ جاتے ہوئے دمشق ایرپورٹ اپنے پروگرام سے مطلع کرچکا تھا، سب ہی چشم براہ تھے، میرے ایک دوسرے رفیق درس شیخ منذرالدقر نے اگلے دودن کا پروگرام بنالیا تھا، یہ معہد الفتح میں استاذ ہیں اور اپنی آبائی انجمن (جمعية العلوم الشرعية) کے سربراہ بھی ہیں، عوام وحکومت کے ایوان میں قدرومنزلت کا مقام رکھتے ہیں عصر تک قیامگاہ (محلہ شعلان) میں آرام کرنے کے بعد دہلی میں اپنے شامی پڑوسی انجینئر مصطفی ویوب کے خالہ زاد بھائی باسل خلیل سے (سبع بحیرات) ہفت چشمے پہونچ کر ملاقات کی، مضر صاحب نے ہماری دمشق دہلی کی بکنگ کے لئے فون کردیا تھا انہوں نے بتایا کہ (انتظار کی لمبی لسٹ میں آپ ومولانا نذرالحفیظ صاحب کا نام ہے) میری کوشش جاری ہے، یہ جگہ قدیم دمشق (جسے اہل دمشق ''شام'' کے نام سے یاد کرتے ہیں) کے شروع میں نہر بردیٰ کے سات شیریں چشموں کی گزرگاہ پر واقع ہے اس کے بالکل سامنے حجاز ریلوے اسٹیشن کی خوبصورت عمارت ہے

اور یہ دمشق کی سب سے خوبصورت اور نمایاں بلڈنگ ہے جسے سلطان عبدالحمید ثانی نے ریلوے اسٹیشن کے طور پر تعمیر کرائی تھی اور اسی جگہ سے مدینہ منورہ تک ریلوے لائن بنواکر ٹرینیں شروع کی تھیں جس کے ذریعہ جزیرہ عرب سے ترکی تک کے مسافروں کو بہت سہولت ہوگئی تھی اور عمرہ وحج کا سفر آسان وسستا ہوگیا تھا اسی طرح کے اسٹیشنوں کی خوبصورت عمارتیں مدینہ منورہ تک بنوائی تھیں مدینہ منورہ کے محلہ عنبریہ میں بھی اس کی باقی ماندہ عمارت اس عظیم الشان کارنامہ کی گواہ ہے، لیکن انگریز ایجنٹ لارنس کے مشورہ پر عربوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس (مواصلاتی نظام) کو برباد کردیا تاکہ عثمان ترکوں سے ان کا کوئی رشتہ باقی نہ رہے، نگاہ افسوس وحسرت سے دیکھتے ہوئے ہم مسجد اموی کی جانب روانہ ہوگئے، حجاز اسٹیشن سے حمیدیہ بازار (سوق الحميديه) تک ایک چوڑی اور صاف ستھری وآباد سڑک دمشق کی پہلی سڑک ہے جسے اس کے عثمانی گورنر ابراہیم پاشا نے بنوائی تھی اس کا نام شارع النصر رکھ دیا گیا ہے حمیدیہ بازار سے پہلے ایک چوراہا ہے جس پر باب الجابیہ، تکیہ سلیمانیہ اور مرجہ میدان وجامع بنی امیہ جانے والے مسافروں کی بھیڑ لگ جاتی ہے اس کو کم کرنے کے لئے زمین دوز الیکٹریکل چینل بنادیئے گئے ہیں اسی کے ذریعہ ہم بآسانی حمیدیہ بازار پہنچ گئے، یہ دمشق کا قدیم مسقف (چھت دار) بازار ہے جسے سلطان عبدالحمید نے بنوایا تھا، مسلم سلاطین نے اپنی سلطنتوں کے ہر بڑے شہر اور دارالحکومت میں اس طرح کے بازار بنوائے اور مردوں وعورتوں دونوں کے لئے الگ الگ بازار قائم کئے تاکہ آسانی وسہولت کے ساتھ خریداری ہوسکے پہلے کی بہ نسبت زیادہ آباد اور منظم لگا، اسی بھیڑ میں سے ہم راستہ بناتے ہوئے مغربی دروازہ سے جامع اموی میں داخل ہوئے مغرب کی آذان ہورہی تھی، وضو کرکے نماز باجماعت ادا کی، اس کے بعد رفقاء کے ساتھ مسجد کے طویل وعریض حصے اور وسیع صحن کی زیارت کی، ہماری رہنما معروف عربی کے ادیب وانشاء پرداز استاذ علی طنطاوی کی کتاب (جامع اموی اور دمشق) تھی اس کی روشنی میں رومیوں کے چرچ سے لے کر دور حاضر کی تعمیر تک کی تاریخ تازہ ہوگئی، عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کے ایک گوشہ میں حضرت یحیی علیہ السلام کی قبر ہے، ولید بن عبدالملک (اموی خلیفہ) نے جب اس مسجد کی شاندار وعظیم الشان عمارت تعمیر کرائی تو اس حصہ کو محفوظ کردیا، اس وقت مسجد کے درمیان میں زیارت گاہ خلائق ہے، اگرچہ تاریخی طور پر اس قبر کا ثبوت نہیں ملتا، ہم نے ۵۸-۱۹۵۷ء میں بیت المقدس اور فلسطین کے مغربی کنارہ کی زیارت کے وقت اس کے شہر (رام اللہ) میں حضرت زکریا اور حضرت یحیی علیہما السلام کی قبروں پر حاضری دی تھی مقامی حضرات نے بڑے وثوق سے بتایا تھا کہ یہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کی قبریں ہیں، جامع اموی کے نقش ونگار، رنگ برنگے شیشے اور حسن تعمیر وآرائش آج بھی نمایاں ہے، اس کی محراب، منبر، اور گنبد بے حد عالیشان وبلند وبالا ہیں، اس کی بلندی ہی کی وجہ سے اس گنبد کا نام (قبة النسر) ہے، مسجد کے مشرقی دروازہ سے متصل ایک کمرہ میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا رأس مبارک دفن اور کچھ یادگاریں بتائی جاتی ہیں، تاریخی طور سے یہ زیادہ قرین قیاس ہے، قاہرہ کے اپنے سفرنامہ میں ہم نے مسجد سیدنا الحسین اور اسی نام سے پورے محلہ کا تذکرہ کیا ہے اس کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا ہے۔

جامع اموی کے جنوب میں بنی امیہ کا سبز محل تھا اور وہی قصر حکومت بھی تھا جہاں سے اموی خلفاء تین تہائی دنیا پر حکمرانی کا فرض ادا کرتے تھے، اسی جگہ سے علم وفضل، تہذیب وثقافت، فلسفہ وحکمت، فکر ودانائی اور انسان نواز نظام حکمرانی کی شمع معروف دنیا میں ضوفشاں ہوئی، وہ ''سبز محل'' بٹ وگھٹ کر چند دوکانوں پر مشتمل ہے، اور ''تلك الأيام نداولها بين الناس'' کی خاموش داستان بنا ہوا ہے، شمالی دروازہ سے نکلے تو سامنے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی آرام گاہ تھی چند منٹ ٹھہر کر فاتحہ پڑھی اور حافظہ نے وہ اوراق الٹنے شروع کئے جس میں اس عظیم المرتبت سلطان کی صلیبیوں پر فتح وکامرانی اور بیت المقدس کی واگزاری کے حقائق ثبت ہیں، بے اختیار دل نے کہا کہ آج کے صلیبی حملوں ودہشت گردی کے خاتمہ کے لئے اسی جیسے بطل جلیل کی ضرورت ہے اس کے بالکل داہنی جانب ایک گلی کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دولکدہ ہے جنہوں نے اموی تخت پر سریر آراء ہوکر خلافت راشدہ کی یادوں کو زندہ کردیا تھا، اس میں ایک ثانوی مدرسہ قائم ہے جس کے ذریعہ تعلیم وتربیت کا عمل رواں دواں ہے، سلطان ایوبی کے مدفن کی پشت پر سڑک کے کنارہ ایک چھوٹی سے مسجد ہے جس کے ایک گوشہ میں سادہ دل، نیک طبیعت، پاک باز وپاک طینت صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا مزار ہے تھوڑی دیر ٹھہر کر اس صحابی جلیل کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کی اور مدینہ طیبہ کی اس روح پرور مجلسوں کی یاد تازہ کی جو امت کا ایک گرانمایہ اثاثہ ہے حمیدیہ بازار کے اس چوراہے سے باب الجابیہ کی جانب جانے والی سڑک کے مشرق میں (الباب الصغير) ہے جس میں مؤذن رسول حضرت بلالؓ اپنے اصحاب کے ساتھ خوابیدہ ہیں اس قبرستان میں

جلیل القدر صحابہ کرام کے علاوہ علماء وصلحاء، حکماء ومفکرین کی ایک منتخب جماعت مدفون ہے مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع کے بعد یہ سب سے بڑا پاک نفوس کا مقبرہ ہے (دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز) اسی چوراہے کے شمال مغرب میں (میدان مرجبہ) ہے جسے ساحۃ الشہداء (میدان شہداء) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو قدیم وجدید کا ایک خوشنما سنگم ہے ایک عرصہ پہلے یہی دارالحکومت تھا، پارلیمنٹ تھا، بازار تھا، اور نقل وحمل کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس کے درمیان میں سلطان عبدالحمید ثانی نے ایک یادگار مینار تعمیر کرایا اور اس کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی مسجد بنوائی جو دنیا کی سب سے چھوٹی مسجد ہے، دمشق کے مغرب ومشرق میں میلوں پھلدار وثمر آور باغات پھیلے ہوئے ہیں جن کے درمیان سے سات نہریں بہتی ہیں، انہیں میں تفریح گاہیں اور گرمی گذارنے کی بلند آباد یاں ہیں جن کے چند نام بطور مثال گوش گذار کرلیں :بلدان، زبدانی، اشرفیہ، ربوہ، دمر، دروشہ، جرجانیہ اور تل کرد جہاں جانے اور مہمان نوازی اور مسافر نوازی کے خوب خوب مشاہدے کے مواقع ملے۔

استار آئی کیئر اینڈ لیزر سینٹر

A-3/254-ویل کنڈ-3 گوتمی نگر (اسکارپ ہوم اسکول کے پیچھے) لکھنؤ

دنیا کی جدید Allergan Phaco Machine(USA) کے ذریعہ 1.2mm کے چیرے کے ساتھ بنا ٹانکا موتیا بند آپریشن میں فولڈیبل لینس لگوا کر چند گھنٹوں میں گھر جائیں۔

کمپیوٹرسے سمبل بائی جانچ اور آپریشن ☆ آنکھوں کے پردے کی جانچ اور Laser علاج ☆ آنکھ کا الٹرا ساؤنڈ اور آنکھ کے سبھی مرضوں کا علاج مناسب دام پر۔

ایل دی پرشاد آئی انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد اور آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسیز، نئی دہلی سے ٹرینڈ

ڈاکٹر محمد اطہر ایم بی بی ایس۔ ایم ایس

Contact No.0522 2391520 Mob:9415101318

آئندہ شمارہ میں

قاہرہ: پچپن سال تک اخوانیوں کو مسلسل دبانے اور کچلنے کے باوجود یہ انکشاف ہوا ہے کہ مصر میں وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ مصری حکومت کی تمام ظالمانہ اور یکطرفہ پولیس ایکشن کے باوجود تازہ پارلیمانی الکشن میں اس جماعت نے اٹھاسی (۸۸) سیٹیں حاصل کرلی ہیں جو ایک رکارڈ ہے..... اس موضوع پر انشاءاللہ ایک مفصل جائزہ پیش کیا جائے گا۔

بغداد: سپر پاور یا صفر پاور؟ قاعدہ بغدادی کے مکتب میں جب سپر پاور امریکی جنرلوں کا امتحان ہوا تو ہر مضمون میں انہیں صفر ملا، اس طرح بش کے وہ خدا ناکام ہوگئے جنہوں نے ان کو عراق پر حملہ کا حکم دیا تھا..... اس موضوع پر ایک مضمون آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائے۔

بقیہ: رابطہ ادب اسلامی

پڑھ کر سنایا۔ خطبۂ صدارت میں صدر رابطہ نے فرمایا:

''تہذیب جدید سے کسب فیض کرنے والے حضرات نے مغربی نظریات ادب سے متاثر ہوکر اردو ادب کو بھی نئے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی، جو اردو زبان وادب کی تاریخ کے آخری دور میں ہوئی، لیکن اردو زبان وادب کو شروع کرنے اور اس کو بین الاقوامی سطح کی زبان بنانے والوں کا اردو کی ترقی وعظمت میں جو حصہ ہے وہ جدید ذہن ودماغ کے حامل لوگوں کی کوششوں کے پیچھے چھپایا نہیں جاسکتا، وہ حصہ علماء دین کے فیض کا مرہون منت ہے۔'' باقی آئندہ

ایک مخلص خادم دین کی وفات

حافظ برادرس کے نام سے سورت کے دینی ملی کاموں میں سرگرم عمل ایک ہونہار سپوت اور اپنی دینی دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ خدمت خلق کے لئے وقت کے علماء اور بزرگوں سے عقیدت ومحبت رکھنے والے محترم شیخ محمود منیار کا اچانک حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون ☆ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئی عندہ باجل مسمی'۔ مرحوم اس وقت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان کو اپنے دولت کدہ پر لیجائیں اور خیر وبرکت حاصل کریں جو اس وقت گجرات ہی کے ایک مدرسہ میں تشریف فرما تھے لیکن اللہ کی شان کہ یہ اولیاء اللہ کا عاشق خود معشوق حقیقی کی بارگاہ میں جا پہنچا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے اور ''واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ'' کی عملی تصویر بنائے، ادارہ تعمیر حیات اور ذمہ داران دارالعلوم اپنی دلی تعزیت پیش کرتے ہیں، مرحوم کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، اس خاندان کا ندوۃ العلماء اور ندوہ کے بزرگوں سے دیرینہ وعقیدت مندانہ تعلق ہے اس لئے یہ خبر رنج وغم کے ساتھ سنی گئی۔

اللھم اغفرلہ واجعل الجنۃ مثواہ (آمین)

نہیں وجود حدود وثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

ایک مطالعہ

آخری قسط

اسلام اور مغربی دانشور

اے۔ ایچ۔ نعمانی

مغربی مفکرین کی گمراہ کن تحقیق

مغربی محققین، دانشوران اور ناقدین کی اسلام اور اصول جہاد کے مطالعہ اور تحقیق سے جو آراء سامنے آئی ہیں ان میں اسلام کی گمراہ کن اور غلط تصویر پیش کی جاتی ہے۔ جس کا جائزہ قارئین کے سامنے اس مقصد سے پیش کیا جارہا ہے تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ ان کو گمراہ کرنے کی خاطر کیا کچھ کیا جارہا ہے ذیل میں دس اسکالرس کے آراء اور جائزے پیش خدمت ہیں۔ ان مفکروں، دانشوروں اور محققین کی جانب سے ایسی کئی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، جن میں جہاد خاص طور سے موضوع بحث ہے۔ اور اس بنیاد پر ایک مخصوص سوچ سامنے آرہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

پی سموئیل ہنگ ٹنگ ٹن

پروفیسر ہارورڈ یونیورسٹی میں امریکی آئیڈیا لاز میں ان کی حیثیت بہت ممتاز رہی ہے۔ سابق صدر جمی کارٹر کی انتظامیہ میں ڈائرکٹر سلامتی منصوبہ بندی نیشنل کونسل، شریک مدیر رسالہ فارین پالیسی، صدر امریکی پولیٹکل سائنس ایسوسی ایشن رہ چکے ہیں۔ متعدد کتابوں، علمی اور تحقیقی مضامین کے خالق ہیں۔ ان کی واضح رائے ہے کہ جہاد کے تصور سے سرحدیں خوف زدہ ہیں۔ اور یہی حال مسلم دنیا کے اندر کا ہے۔ وہ اسلامی بنیاد پرستی کو، جو ان کے خیال میں جہاد کی فکر سے مستعار لی گئی ہے، مغرب کے لئے نہ صرف ایک بہت بڑا چیلنج بلکہ عظیم خطرہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق اسلامی بیداری کے اثرات حکمراں طبقہ سے لے کر عام لوگوں تک ہر جگہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ البتہ اس کا سب سے زیادہ اثر دانشوروں اور تعلیم یافتہ طبقہ نے قبول کیا ہے۔ ان کی شہرہ آفاق کتاب ''تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو'' میں اقوام مغرب کی بائبل گردانی کی گئی ہے۔ انہوں نے اس میں جہاد کے نظریہ پر مبنی اسلام سے دیگر تہذیبوں خصوصی طور سے مغربی تہذیب سے تصادم کی پیشن گوئی ۱۹۹۳ء میں کی تھی۔ ویسے یہ کتاب ۸ سال تک دانشوروں کی سوچ کا مرکز بنی رہی۔ اس نے اسلام کے متعلق مغرب کی سوچ میں حیرت انگیز انقلاب برپا کیا۔ امریکہ جو مغرب کا سرخیل ہے، اسی سوچ سے متاثر ہوکر، بغیر کسی بین الاقوامی، ملکی، قانونی اور اخلاقی جواز کے آگ وخون کی ہولی کھیل رہا ہے جس کی وجہ سے ایک ملین سے زیادہ معصوم اور کمزور انسان جن میں اکثریت بچوں اور عورتوں کی ہے، مارے جاچکے ہیں۔ سوویت یونین کے سیاسی افق سے غائب ہوجانے کے بعد واحد سپر پاور ہونے کی وجہ سے امریکہ بغیر کسی رکاوٹ کے تمام دنیا کو اپنی مرضی سے چلانے، ان کے ذرائع ووسائل کو استعمال کرنے کا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔ اسی لئے ۱۱ر ستمبر کے واقعات کے بعد امریکہ ہی نہیں بلکہ پوری اقوام مغرب میں یہ کتاب ہاٹ کیک کی طرح بکنے لگی۔ اور برسہابرس کے دوران سب سے زیادہ بکنے والی کتاب ہے۔

برنارڈ لیوس

(Bernard Lewis) ایک امریکی مفکر ہیں۔ اسلام اور مسلم دنیا ان کی علمی اور تحقیقی دلچسپی کے موضوع ہیں۔ انہوں نے اسلامی دنیا اور مغرب کے تعلق سے بہت سی کتابوں میں جہاد کے مسئلہ پر بحث کی ہے۔ ان کی معروف کتابوں World Of Islam,Idle East and the West,Arabs in History,Emergency Of Modern Turky,Race and Colours in Islam,Political language Of Islam,Cultural inconflict Creatures Of Islam,Muslim and Jews in the age Of diciscovery,and What Went Wrong. قابل ذکر ہیں ان کتابوں کے ۲۵ زبانوں میں ترجمے ہوچکے ہیں۔ ان کی مؤخرالذکر کتاب میں ایک مقالہ اسلام کی واپسی شامل ہے۔ اس واپسی کو وہ جہاد کے تصور کی واپسی مانتے ہیں۔ اور ان سب کا ذمہ دار اسلامی تحریکات کو قرار دیتے ہیں۔ یہ ان دانشوروں میں سے ہیں، جنہوں نے اسلام کی تاریخ کے ساتھ اسلامی تحریکوں کا بہت ہی گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا تعلق اس طبقہ سے ہے، جو اسلامی جہاد کو مغربی شناخت کے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھتا ہے۔ اور اس سے مغرب کو پوری طرح باخبر رکھنا ضروری قرار دیتا ہے۔ ان کے اس خیال کی جھلک ان کے مقالہ'' روٹ آف مسلم رینج'' میں ملتی ہے۔

● جان-ایل-اسپوسیٹو

(John Esposito) یہ بین الاقوامی مذہبی امور (جارج ٹاون یونیورسٹی) ڈائرکٹر عیسائی مسلم مفاہمت، تاریخ اور بین الاقوامی امور، ایڈمنڈ اے والش اسکول برائے خارجہ خدمات۔ مشیر محکمہ امور خارجہ امریکہ۔ ایڈیٹر انسائیکلو پیڈیا آف ماڈرن اسلامک ورلڈ آکسفورڈ اور دیگر ایک درجن بین الاقوامی شہرت یافتہ کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں ٹیران دی ان ہولی وار، اسلامک تھریٹ مائتھ اینڈ ریلیٹی جو جہاد کے موضوع پر بحث کرتی ہے۔ اپنی اول الذکر کتاب میں صفحہ ۲۲ سے ۷۰ تک انہوں نے دوسرے باب کا عنوان ''جہاد اور اسلام کے لئے جدوجہد'' رکھا ہے رسول اللہؐ سے لے کر عہد وسطیٰ تک مشہور اسلامی شخصیات جیسے امام ابن تیمیہؒ اور دور جدید کی دوسری اسلامی تحریکات کی شخصیات مثلاً شیخ حسن البنا، سید قطب شہیدؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے جہاد کے سلسلہ میں ان کے افکار کا جائزہ لیا ہے۔ ان کے مطابق یہ جہاد کی تحریک محض مذہبی جنگ نہیں بلکہ مکمل طور پر جدوجہد کو کہتے ہیں۔ ان کی یہ کتاب ۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد سامنے آئی ہے، لہٰذا اسامہ بن لادن اور طالبان کے تصور جہاد پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں وہ طالبان اور اسامہ بن لادن کے افکار کو اول الذکر شخصیات کے افکار سے قطعی الگ مانتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ فرق اس لئے ہے کہ طالبان اور اسامہ کا تعلق اسلامی تحریکوں سے نہیں ہے۔ یہ فاضل مفکر، اسلام اور مغرب کے درمیان ڈائیلاگ کے قائل اور خواہش مند ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دونوں کے درمیان اختلاف اور کشمکش کی جتنی بنیادیں ہیں، ان میں باہمی اتفاق اور مفاہمت کی

● ہنری۔سی۔کے۔لیو

(Henry CK Lieu) (چیرمین لیوانوسٹمنٹ گروپ نیویارک) کا کہنا ہے کہ جہاد کے نام پر جو دہشت گردی ہے، اس کا مقابلہ اینٹی بلاسٹک میزائلوں اور اسمارٹ بموں سے نہیں، بلکہ ناانصافی کا خاتمہ کرکے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت میں دہشت گردی نہیں ہے۔ بلکہ کسی فکر پر مبنی تحریک ہے۔ لہٰذا ان لوگوں سے تصادم کے بجائے گفتگو کرنا چاہئے۔

● ایف۔ایف۔پیٹرس

(Prof.F. F. Peters) ایک امریکی اسکالر ہیں۔ امریکی پالیسی کے وہ خود حامی نہیں ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ جہاد کو ان پالیسیوں کا جواب بھی نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ کے کئی سو سال بعد سیاسی حقیقتوں کے اشتراک کی پالیسی کے طور پر جہاد کا اثر تو ختم ہو چکا تھا۔ لیکن آج بھی بنیاد پرستوں اور ان کے مغربی مخالفین، دونوں کے لئے پروپیگنڈے کے طور پر ایک موثر ہتھیار ہے۔ ان کے خیال میں مسلم بنیاد پرست اس سے اپنے میں ایک نئی زندگی و توانائی محسوس کرتے ہیں، جب کہ مغربی مخالفین اس کی مخالفت میں مصروف رہتے ہیں۔

● فریڈ ہیلی ڈے

(Fred Halliday) پروفیسر شعبہ بین الاقوامی تعلقات اسکول آف اکنامکس لندن ان کی معروف کتاب اسلام اینڈ دی ماتھ آف کنفرنٹیشن قابل ذکر ہے۔ ان کا شمار مغرب کے ان مفکروں اور دانشوروں میں ہوتا ہے جو مغرب کی پالیسی، جس کی بنیاد تہذیبوں کے تصادم کے تصورات پر مبنی ہے، کے شدت سے مخالف ہیں۔ اور شدت سے اسے مسترد بھی کرتے ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ وہ اسلام کو مغرب کے مقابلے میں موثر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس سے مغرب کو کوئی خطرہ ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ مسلم ممالک اور اس کے حاملین میں اتحاد ممکن نظر نہیں آتا۔

● رچرڈ بونی

(Prof.Richard Bonney)

ڈائریکٹر سینٹر فار ہسٹری آف ریلیجن پولیٹکل پلیورل ریلیشن یونیورسٹی آف لیسٹ ہیں۔ ہندو پاک تعلقات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ کچھ دن پہلے منظر عام پر آئی ان کی کتاب ''جہاد: قرآن سے بن لادن تک'' میں وہ جہاد سے متعلق نظریئے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مغرب میں جہاد کی معروف تشریح کے برخلاف جنگ مقدس ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کا اصل مقصد جدوجہد ہے۔ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے ایک شخص کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق کئے جانے کا مقدور بھر عمل ہے۔ ان کی تشریح کے مطابق اکزرٹ کرنے کو جہاد اور اکزرشن کو اجتہاد کہتے ہیں۔ شیخ حسن البناؒ، سید قطب شہیدؒ، اور سید مودودیؒ کے افکار اور تحریکوں میں سیاسی اغراض کے لئے جہاد کے استعمال پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایران کے انقلاب پر بھی اس ضمن میں روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ موجودہ امریکی پالیسی کے سخت مخالف اور اس سے ناخوش بھی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ملیٹنٹ اسلامسٹ اور امریکیوں کے درمیان جو معرکہ آرائی ہے اس کو ہرگز تہذیبوں کے درمیان تصادم نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ان کو یقین ہے کہ اس وقت جو صورت حال

بگڑی ہے اس کا ذمہ دار صرف امریکہ ہے۔ اور اس کی چودھراہٹ والی سوچ ہے۔ ویسے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاد کے سیاسی استعمال، میڈیا کے ساتھ انفارمیشن ٹکنالوجی میں اسلامی تحریکوں کی ازحد دلچسپی اور حکمت عملی سے صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ اقوام عالم کو خطرہ درپیش ہے۔ اور اس طرف ان کو راغب کرنے کا موجب امریکہ کی دنیا پر تسلط کی سوچ ہے۔ ان کے خیال کے مطابق جہاد کا مفہوم وسیع تر معنی میں لیا جانا چاہئے۔ مغربی اسکالرس موثر مقابلہ کرکے غلبہ پاسکیں، یہ ممکن نظر نہیں آتا۔

● چارلس کرزمین

(Charles Kurzman) یہ مشہور دانشور ہیں۔ عام رائے سے ان کی رائے ذرا مختلف ہے۔ اپنی کتاب ''لبرل اسلام'' میں وہ رقم طراز ہیں کہ قرآن میں محمد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا گیا ہے سربراہ مملکت نہیں، اس لئے بجا طور اسلام کو سیاسی تناظر میں نہیں دیکھنا چاہئے۔ یہ جہاد کو ایک مذہبی ستون تو مانتے ہیں لیکن اس کے سیاسی استعمال پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایک جدوجہد ہے۔

● نٹانا جے۔ڈی۔لانگ باس

(Ms Natana JD Longbas) یہ ایک خاتون دانشور ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''وہابی اسلام فرام ریوائیول اینڈ رفارم ٹو گلوبل جہاد'' جوان کے اس خیال کی تائید میں ہے کہ عبدالوہاب کے جہاد کا تصور امام ابن تیمیہؒ کی سوچ سے قطعی مختلف ہے۔ وہ اظہار خیال کرتی ہوئی مزید رقم طراز ہیں کہ بن لادن کا دنیا کو حق و باطل میں تقسیم کرنا، پاکستان کے خلاف گلوبل جہاد کرنا، بنیادی طور پر وہابی فکر سے مماثلت نہیں رکھتا۔ ان کی جڑیں امام بن تیمیہؒ، حسن البنا شہیدؒ، سید قطب شہیدؒ کی تعلیمات میں محسوس ہوتی ہیں۔ انہوں نے ایک عجیب انکشاف کیا ہے کہ ان کے خیال میں سعودی عرب میں وہابی مملکت برطانوی حمایت سے وجود میں آئی ہے۔

● اولیور رائے

(Oliver Roy) یہ مفکر دانشور ہیں۔ اسلام سے متعلق ان کی معروف کتابیں ''سیاسی اسلام کی ناکامی، گلوبلائز اسلام، ڈسکوری آف نیوامۃ'' قابل ذکر ہیں۔ مغرب میں انہیں اسلام پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے افغان مجاہدوں کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزارا اور قم (ایران) میں اسلام کے متعلق کئی مقالے بھی پڑھ چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جہاد کے لغوی معنی چاہے جو کچھ بھی ہوں لیکن اس سے صرف نظر کرکے یہ سیاسی اغراض کے لئے مسلح جدوجہد کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ اور مستقبل میں بھی ہوتا رہے گا۔ یہ ایک بہت ہی خطرناک رجحان ہے۔

مغربی مفکرین کی آراء کا ایک تجزیہ

مذکورہ بالا سبھی دانشوران، مفکرین، محققین مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق نظریات اور رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جہاد کے متعلق ان کی آراء کے تجزیہ سے، ان کا یہ تصور ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ سبھی لوگ جہاد کے لغوی معنی اور تشریح سے اچھی طرح واقف تو ہیں، لیکن اس کے استعمال کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس سے سیاسی اور دفاعی فوائد حاصل کئے جارہے ہیں۔ جو ان کے مفاد یعنی ان کی اپنی مشرق اور امت اسلامیہ پر فکری، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، سائنسی اور ٹکنیکل ترقی کی برتری کے تصور کو ختم کرنے کی ایک منظم کوشش ہے۔ یہ موثر ہے اور اس سے اسلام اور مغربی دانشور کے اثرات بھی قبول کئے جارہے ہیں۔ سبھی مفکرین کے خیالات میں یہ قدر مشترک ہے کہ تیرہویں صدی کے امام ابن تیمیہؒ اور بیسویں صدی کے حسن البناؒ، سید قطبؒ، اور ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی قیادت میں اٹھی تحریک اسلامی ان کے افکار، تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ ان کا فروغ جہاد کے دبے ہوئے جذبہ کو زندگی عطا کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔ اور ان کے اثرات بھی یقینی طور سے غلط یا صحیح دیگر تحریکوں، تنظیموں، اداروں اور افراد کی سوچ پر پڑے ہیں یہاں تک کہ حکمرانوں پر بھی پڑ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب اسکول اس کو صرف اسلامی دہشت گردی ہی نہیں سمجھتا ہے بلکہ ۱۱ ستمبر کے واقعات کے پس منظر میں جو ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ہی سمجھ بوجھ کر اسلامی تحریکوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے خود کرائے ہوں، اور اس سے انہیں ایک بہترین موقع حاصل ہوگیا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر اسلامی تحریکوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے ہر محاذ پر پوری قوت سے وہ اقدامات کر رہے ہیں۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ ان کو اپنے مقصد میں جو کچھ بھی کامیابی ہو رہی ہے وہ اسلامی دنیا کے اپنے مفاد کو مقدم رکھنے والے حکمرانوں کی بدولت حاصل ہو رہی ہے۔ یہ ناعاقبت اندیش حکمراں اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے اپنی عزت، وقار، وجود اور اقتدار کو خطرے میں ڈال کر مغربی آقاؤں کی خوشنودی میں لگے ہوئے ہیں، تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اس قسم کا کردار ادا کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔

تم بیک وقت خدا اور نفس کو راضی نہیں کر سکتے۔
(حضرت عیسیٰ علیہ السلام)

حج بیت اللہ

حجاج کرام اور اعمالِ حج

سراج احمد علوی (پاکستان)

اسلامی شعائر اور حج بیت اللہ

حج اسلامی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جو صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے۔

جب مسلمان حج پر جانے کی نیت کرتا ہے اپنے بیوی بچوں سے جدائی، اخراجات برداشت کرنے اور اس سفر کی ہر تکلیف برداشت کرنے کی نیت کر کے اس سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ سفر کے دوران ایک مقام پر پہنچ کر اپنی خلعت دنیاوی یعنی دنیاوی لباس اُتار کر محض دو چادریں ایک اوڑھ لیتا ہے اور ایک تہبند باندھ لیتا ہے اسے احرام کہتے ہیں۔ اور مقام میقات سے تلبیہ پڑھتے ہوئے لبیک اللّٰھم لبیک کا ورد کرتا ہے اور اپنے رب ذوالجلال العلیم الحکیم کو پکارتا ہوا اس کے گھر کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ علیم الحکیم کی میزبانی سے اس کا لطف و کرم سمیٹتے جا رہا ہے اور جب کعبۃ اللہ پہنچ جاتا ہے۔ خانہ کعبہ کو دیکھ کر اپنے رب کریم کو پکارتا ہے۔ دعا مانگتا ہے۔ اے لطیف و خبیر! تو نے احسان کیا مجھے بیت العتیق کی زیارت نصیب فرمائی۔ اب دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگ کر کعبۃ اللہ کے طواف کے لئے حجر اسود کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کو چومتا ہے۔ چوم نہ سکے تو لکڑی لگا کر اس کو چومتا ہے، اگر یہ بھی ناممکن ہو تو اس کی طرف ہاتھوں کے اشاروں سے اظہار عقیدت کر کے ہاتھ چومتا ہے اور طواف کعبہ شروع کرتا ہے۔ رب ذوالجلال نے اپنے گھر میں حجر اسود کی تعظیم شرعاً کیوں واجب قرار دی؟ اس حجر اسود سے عقیدت نہ صرف طواف کے ایک چکر سے متصف ہے بلکہ طواف کے ہر چکر پر اس سے تجدید عقیدت بھی کرنی ہوتی ہے۔ جب کہ کعبۃ اللہ بھی کالے پتھر سے بنایا گیا ہے اس ایک پتھر کے ساتھ اظہار انس و عقیدت کیوں؟ مسلمانوں کی سہولت کے لئے حجاج کی بڑی تعداد کے پیش نظر رب العزت رکن یمانی سے باب شامی حطیم یا باب ملتزم سے چومنے کا حکم دے سکتے تھے۔ اور طواف شروع کیا جاسکتا تھا لیکن خالق و مالک نے اس ایک پتھر کو چومنے کا حکم کیوں دیا اس لئے کہ اس کے حبیب امین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پتھر کو چوما ہے اس لئے عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ حجر اسود تیری میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں سوائے اس کے کہ میرے آقا نے تجھے چوما ہے اور میں بھی چوم رہا ہوں" علامہ اقبال کہتے ہیں۔

تیرے بوسے کو بوسہ دے رہیں حجر اسود کا
وگرنہ ہم مسلمانوں کا کیا رکھا ہے پتھر میں

اس طرح طواف کر لینے کے بعد حاجی مقام ابراہیمؑ کی زیارت کرتا ہے، یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر خانہ کعبہ کی، اس پتھر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس طرح موجود ہیں جیسے انھوں ابھی ابھی اس پتھر سے قدم مبارک باہر نکالے ہوں زیارت کرتے ہوئے سوچنا پڑتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قدموں کے نیچے آنے والے پتھر نہ صرف نرم و نعیم ہو جاتے تھے بلکہ ان کے تابع فرمان ہوتے تھے۔ یہیں پر دو رکعت نماز نفل ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگا کر سعی کرنی ہوتی ہے جسے قرآن کریم میں شعائر اسلام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سیدہ ہاجرہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان ادھر سے ادھر جاتی تھیں یہاں دو سبز خط کھینچ دیئے گئے ہیں۔ ان دونوں خطوط کے درمیان ہر حاجی کو دوڑنا ہوتا ہے اور دوڑتے ہوئے کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے یہاں دوڑنے والی ہستی (سیدہ ہاجرہ) کی تقلید کرتے ہوئے دعا بھی مانگنی چاہئے۔ اور صفا و مروہ پر جا کر کعبۃ اللہ کو دیکھنے کی کوشش کر کے بیت اللہ کو دیکھ کر دعا کرنی ہوتی ہے۔ صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہو کر چاہ زمزم پر جا کر اسے خوب سیر ہو کر پینا چاہئے کہ یہ "شفاء للناس (لوگوں کے لئے شفاء) ہے"۔ اور آب کوثر کے بعد متبرک پانی ہے اور مکمل غذائیت پر مبنی پانی ہے اس سے دل کا میل کچیل دور ہوتا ہے روحانی و جسمانی قوت ملتی ہے پھر حجاج کرام کو ۸ ذی الحجہ کی ظہر، عصر، مغرب و عشاء کی نمازیں منیٰ میں پڑھنی ہوتی ہیں تمام حجاج کرام کعبۃ اللہ سے نکل کر منیٰ میں جا بیٹھتے ہیں۔ عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں، بیٹھے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سوچتے بھی ہیں رب البیت العتیق اپنے گھر سے نکال کر منیٰ میں بھیج کر کیا دیکھنا چاہتا ہے کیا یہ منیٰ کعبۃ اللہ سے افضل و بہتر ہے علیم الحکیم ہماری نیتوں سے واقف ہے۔ اور اس کا گھر ہمارا قبلہ ہے۔ اس میں پہنچنے پر یا مزید لوازمات کی ادائیگی پر

ہمارے حج کی قبولیت کا مژدہ سنا دیا جاتا یا پھر کسی اور طرح سے ہمیں انعام یافتہ قرار دیا جاتا یعنی حج کی قبولیت کا پتہ چل جاتا لیکن خانہ کعبہ سے نکال کر منیٰ میں بٹھانے کے معنی کیا ہیں؟ سوچتے سوچتے حجاج کرام اگلے روز ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات جبل نور کی طرف چل پڑتے ہیں۔ لبیک اللّٰھم لبیک کے نغمے پڑھتے ہوئے میدان عرفات کی طرف چلے جا رہے ہوتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر ضیوف الرحمٰن (حجاج کرام) دعائیں مانگنے میں مصروف ہو جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر دوپہر تک خوب گڑگڑا کر دعا مانگ رہے ہوتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے وقت خطبہ دینا شروع کر دیا جاتا ہے اس مسجد میں جو حجاج بیٹھ سکتے ہیں وہ خطبہ سنتے ہیں۔ اور ظہر عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد حجاج دعائیں مانگنے میں مصروف ہو جاتے ہیں لیکن یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ رب ذوالجلال آپ نے ہمیں منیٰ سے بھی چند کلومیٹر اور آگے یعنی کعبۃ اللہ کی مخالف سمت جانے کا حکم دیا ہے کیا میدان عرفات جبل نور کعبۃ اللہ سے کوئی افضل مقام ہے کہ تیرے مہمان ادھر بھیجے گئے ہیں مغرب سے پہلے یہاں سے چلتے ہوئے رمی جمار کے لئے کنکریاں حجاج کرام یہیں سے چن لیتے ہیں اور مزدلفہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ یہاں آکر مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھتے ہیں اور رات عبادت و دعائیں مانگنے میں گزارتے ہیں۔ اگلے روز ۱۰ ذی الحجہ کو جب کعبۃ اللہ کے طواف کے لئے جا رہے ہوتے ہیں انہیں منیٰ عرفات اور مزدلفہ کے سفر کا پتہ چل جاتا ہے کہ منیٰ میں بیٹھنا سنت ابراہیم علیہ السلام ہے عرفات جبل نور میں سنت آدم علیہ السلام، مزدلفہ میں سنت آدم و اماں حوا علیہم السلام ہے۔ تو پتہ چلا کہ خانہ کعبہ سے نکال کر انبیاء علیہم السلام کی سنتیں اس لئے ادا کرائی جا رہی تھیں کہ مقام سید الانبیاء والمرسلین علیہم السلام سے آگاہی حاصل ہو سکے۔ طواف کعبہ سے واپسی پر حجاج قربان گاہ جاتے ہیں۔ یہاں قربانی کر کے احرام اتارنا ہوتا ہے قربانی کرنے سے پہلے طواف کے بعد حجاج کو قربانی کرنے والوں کو بال کٹوانے ہوتے ہیں۔ یہاں پورے سر کے بال اتارنے میں فضیلت ہے اور کٹوائے بھی جا سکتے ہیں۔ اب ۱۱/۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کو رمی جمار کرنی ہوتی ہے یعنی شیطانوں کو پتھر مارنے ہوتے ہیں۔ اور رمی جمار سے فارغ ہو کر جو لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا رہے ہوتے ہیں اور جو مدینہ منورہ سے زیارت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فیض یاب ہو آئے ہوتے ہیں وہ طواف الوداع کرتے ہیں اور جو مدینہ منورہ نہیں گئے ہوتے یا مدینہ منورہ سے ہو کر واپس مکہ مکرمہ آتے ہیں وہاں سے آکر طواف الوداع کرتے ہیں۔ اب ۱۴ ذی الحجہ کو حجاج کرام کی خاصی تعداد مدینہ منورہ کی طرف جا رہی ہوتی ہے اس علم کے ساتھ جو ہستی حجر اسود کو چوم گئی ہے اور اب رب العزت نے اپنے گھر میں اس حجر اسود کو جو توقیر و شرف بخشا ہے ہم اس ہستی کی بارگاہ میں جا رہے ہیں اس سوچ کے ساتھ کہ رب العزت نے منیٰ اور عرفات اور مزدلفہ میں اپنے گھر سے نکال کر انبیاء کی سنت پوری کرائی ہے۔ اور اب ہم سید الانبیاء والمرسلین کے پاس جا رہے ہیں اور کعبۃ اللہ سے نکال کر منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں لوازمات ادا کرانے کا مقصد بھی سید الانبیاء والمرسلین کا مقام اجاگر کرنا مقصود تھا۔ اس حبیب کبریاؐ کے پاس جا رہے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

سراپا حسن بن جانا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

عظمت رسولؐ اور قرآن کریم

اب اس رسول امین علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہے ہیں، حجاج کرام ۳۵۶ کلومیٹر کے فاصلے پر مدینہ منورہ "خط سریع" طریق ہجرت سے ٹیکسی اور بسوں کے ذریعے پانچ گھنٹے کی منزل جاتے ہیں یہ سفر درود شریف کے گلہائے عقیدت آنسوؤں کے پھول لئے ہوئے تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا رہے ہوتے ہیں، قرآن حمید میں ادب کے سلیقے بیان کئے ہیں، ادب و آداب کو بارگاہ حبیب رب العالمین میں ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ سورۃ الحجرات نہیں اتارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے۔

۲۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بیشک اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

۳۔ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو رسول کریمؐ کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو۔ جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال)

۴۔ اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

۵۔ بیشک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسولؐ کے سامنے۔ یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

۶۔ بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔

ے۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک آپ تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

یہ آیتیں نازل فرما کر ان صحابہ کرام کو آداب بتائے جارہے ہیں جو خشوع وخضوع اور جو تسلیم ورضا کے پیکر تھے۔ صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی کہ ہمیشہ آپؐ سے نرم لہجے میں بات کروں گا۔ عمر فاروق نے اس کے بعد ہمیشہ نرم لہجہ اختیار فرمایا، تمام صحابہ کرام نے، ادب کو ملحوظ رکھا کہ اس پر طاعتوں، نیکیوں اور حسنات کے مقبول نامقبول ہونے کا انحصار ہے انھیں کہا جارہا ہے کہ تم نے میرے پیارے رسولؐ کی جناب آواز اونچی کی تو گستاخی متصور ہوگی کہ تمہاری نیکیاں ملیامیٹ ہوجائیں گی۔ آج جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں سوقیانہ باتیں کرتے ہیں۔ حضورؐ کے علم خداداد پر معترض ہوتے ہیں۔ ادب واحترام کو ملحوظ نہیں رکھتے اپنے علم، نیکیوں اور اپنے ایمان سوز لمبے وعظوں پر مغرور ہیں۔ وہ اپنے انجام کے بارے میں سوچ لیں۔ لیکن مراد غلامان رسولؐ کی حاضری کا انداز ہے۔

حجاج کرام مدینۃ الرسولؐ میں

حجاج کرام ادب وآداب کے قرینے سے واقفیت کے عالم میں جب روضۂ انور پر حاضر ہوتے ہیں تو دو رکعت نفل پڑھ کر رسول مبینؐ کی بارگاہ میں سلام پیش کرتے ہیں اور روضۂ مطہر وانور کی ضیاؤں سے دل کو منور کرتے ہیں اور ریاض الجنہ میں جنت کے حق دار بنتے ہیں یہاں چالیس نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں جن کی ادائیگی سے دوزخ کی آگ اور نفاق سے برأت ملتی ہے۔ کیوں نہ ملے! رسول کریمؐ نے اپنے دست مقدس سے کعبۃ اللہ میں میزاب رحمت نصب فرمایا ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ بارش کے پانی کا قطرہ اس میزاب رحمت سے جس مسلمان پر پڑا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگئی اور اس میزاب رحمت کا جس طرف رخ ہے ادھر ہی مدینہ منورہ ہے۔ تو رسول مبینؐ کے باب رحمت پر مسجد نبوی میں پرسکون سجدے کب دوزخ کی آگ سے برأت کا سبب نہیں بنتے؟ ہاں ان کے لئے شاید نہ بنیں جو اس حقیقت سے ناآشنا ہوں لیکن غلامان رسولؐ کے سجدے ادا ہی یہیں ہوتے ہیں۔

چالیس نمازوں کے دوران حجاج کرام یہاں کی زیارتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ پہلی زیارت مسجد قبا ہے۔ یہ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کے بعد پہلی مسجد ہے جس کے منبر پر آیت کریمہ اور حدیث پاک مکتوب ہے کہ اہل تقویٰ کے لئے یہ مسجد ہے اور اس میں دو رکعت نماز نفل پڑھنے سے قبول عمر کا ثواب ہوتا ہے۔ بقول اعظم چشتی

اس خالق کونین کی مرضی بھی ادھر ہے
اے سید الابرار رضا تیری جدھر ہے

مسجد قبا کے بعد سید الشہداء سیدنا امیر حمزہؓ کی حاضری ہے۔ یہ میدان احد میں جبل احد کے دامن میں آسودہ ہیں۔ شہید کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہوتا ہے وہ چلتا پھرتا ہے۔ اس کے لئے رزق آتا ہے تمہیں دیکھنے کا شعور نہیں (القرآن) اور حدیث پاک میں ہے۔ ایک نبی چالیس شہداء کے برابر ہوتا ہے، اب حجاج کرام سید الانبیاء والمرسلین علیہ السلام کے شہر میں ہیں اور آپؐ کا فرمان ہے جو مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لئے آیا اور میرے چچا سید الشہداء امیر حمزہؓ کی زیارت کے لئے نہ گیا اس نے مجھ سے بخل کیا۔ یہاں فاتحہ خوانی اور سلام عرض کرکے دعائیں مانگ کر مسجد قبلتین کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اس مسجد کو مسجد قبلتین کیوں کہتے ہیں؟ یہ مسجد دو قبلوں والی کیوں کہلاتی ہے۔ اس لئے کہ ایک نماز میں دو قبلے اختیار کئے گئے تھے۔

پھر یہاں سے حجاج کرام سبع مساجد جاتے ہیں۔ یہ جنگ خندق کی جگہ ہے ایک مسجد فتح الرسولؐ ہے جہاں پر رسول کریم کو فتح کی خوشخبری سنائی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہاں پر سورہ فاتحہ (ام القرآن) کا نزول ہوا۔ یہ اونچائی پر ہے۔ یہاں دعاؤں کی قبولیت کا مژدہ بھی بعض کتابوں میں مذکور ہے۔ پھر سیدنا سلمان فارسیؓ رسولؐ کی مسجد ہے جنھوں نے خندق کھود کر مشرکین مکہ کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ پھر سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی مساجد ہیں جواب ایک جامع مسجد بنادی گئی ہے اس کے پیچھے سیدنا علی المرتضیٰؓ کی مسجد ہے یہ اونچائی پر ہے یہاں جنگ خندق میں اسدؓ اللہ کا خیمہ تھا۔ اس کے ساتھ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی مسجد ہے جہاں وہ جنگ میں پانی پلانے کا بندوبست کرتی تھیں۔ ان مسجدوں میں دو دو رکعت نفل پڑھ کر حجاج کرام دعائیں کرتے ہیں یوں تو مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ زیارت گاہ ہے۔

حق نے جس شہر کے ذروں کی قسم کھائی ہے
وہاں ابھرتے ہوئے خورشید بھی شرماتا ہے

اب حجاج کرام رسول مبینؐ سے ابدی انعام کی سفارش کے ساتھ یہ کہہ کر واپس جارہے ہوتے ہیں۔

چھوڑ آیا ہوں یہ کہہ کر میں دل اور جان اعظم
میں آرہا ہوں مرا سامان مدینے میں رہے

کہ سفر کے دوران اپنی محرمات خواتین کا خاص خیال رکھیں۔ اور ان کے محرم اور نامحرم کا فرق بہر صورت برقرار رہنا چاہئے۔

بہت سنوار نہ لہجے کو، سوچ لے یہ بھی
جدید فکر کا ہے زاویہ بہت الجھا

نشاں بن فیضی

عازمین حج کی خدمت میں چند باتیں

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

اسلام کے چار ارکان میں حج ایک اہم رکن ہے، اس میں بندہ اپنے مولیٰ کے ساتھ عشق و وفا کا اظہار کرتے ہوئے کفن بردوش نکل پڑتا ہے، دو سفید چادروں میں ملبوس "لبیک اللّٰھم لبیک" پڑھتے ہوئے مرکزِ اسلام کا رخ کرتا ہے پھر نہ اس کو راستہ کی تکلیفوں کا احساس رہتا ہے اور نہ راحت وآرام کا خیال، اس کے سر میں تو بس مالک کے دربار میں حاضری کا سودا سما جاتا ہے۔ اس کو ہمہ وقت یہ دھیان رہتا ہے کہ میں بھی اسی عاشق حقیقی کی چال چلوں جس کو مولیٰ نے اپنا حبیب کہا میں بھی سنت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے اپنی قربانی پیش کروں، اور اپنے اللہ کو راضی کروں جس کو راضی کرنا ہمارے ایمان کی بنیاد ہے، وہ مالک جو پورا پورا دینے والا ہے، جس کو اپنے بندہ سے پیار ہے، جس کو بندہ کی بندگی اور سرافگندگی عزیز ہے، بندہ جب اس کے دربار میں پراگندہ حال اور بے خود ہوکر حاضر ہوتا ہے تو رحمت الٰہی جوش مارتی ہے، اور اس کو اس طرح اپنے آغوش میں لے لیتی ہے جیسے ماں اپنے گمشدہ بچے کو۔ ارشاد نبوی ہے:

"الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة"
(رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حج مبرور اس وقت ہوتا ہے جب حتی المقدر اس کو نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر کیا جائے کمال کا دعویٰ کون کرسکتا ہے اور اگر کوئی کرے بھی تو یہی اس کا سب سے بڑا نقص ہے، مطلوب اپنی کوشش ہے۔

ایک مسلمان جب حج کا ارادہ کرے تو تجربہ رکھنے والے علماء سے رجوع کرے اور پوچھے، مطالعہ کرسکتا ہو تو ایسی کتابوں کا مطالعہ کرے جن سے معلومات بھی حاصل ہوں اور جذبات کو بھی مہمیز لگے اس سلسلہ میں چند کتابیں قاری سعید احمد صاحب کی "معلم الحجاج" حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی "فضائل حج" حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی "اپنے گھر سے بیت اللہ تک" مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ "آپ حج کیسے کریں" اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی "حج اور مقامات حج" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ زندگی بھر کی کمائی ہے اس میں کمی رہ گئی تو تلافی مشکل ہے خوب سیکھ کر رخت سفر باندھے اور راستہ میں بھی اور پہنچ کر بھی پوچھتا رہے اس میں جو جتنا زیادہ نبی کریم ﷺ کی چال چلے گا، وہ اتنا ہی حج مبرور کے قریب ہوگا اس میں عام طور پر حجاج سے غلطی ہوجاتی ہے وہاں پہنچ کر پوچھنے کا موقع نہیں مل پاتا ہے یا ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور بعض ایسے اہم مناسک رہ جاتے ہیں کہ حج کی ادائیگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اسی لئے اس میں پوری احتیاط ضروری ہے اس کے ساتھ یہ دھیان بھی رہنا چاہئے کہ کس کے دربار میں حاضری ہورہی ہے اس سے بڑھ کر گناہ معاف کرانے اور توبہ کرنے کا کون سا وقت آئے گا، اسی لئے علماء یہ بھی کہتے ہیں کی سفر حج سے پہلے ہی بندوں کے حقوق میں اگر کوتاہی رہ گئی ہو تو ادائیگی کرلے تاکہ کوئی پھانس باقی نہ رہے اور وہ دھلا دھلایا وہاں سے واپس ہو۔

من حج للّٰه فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه (رواہ البخاری) جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس نے نہ کوئی فحش کام کیا اور نہ نافرمانی کی تو وہ اس حال میں لوٹے گا کہ وہ آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

قربان جائیے اس فرمان پر، ایسے مجمع میں جہاں مرد بھی ہیں عورتیں بھی ہیں بدشکل بھی ہیں خوبصورت بھی اور آدمی اپنے گھر والوں سے دور ہے برائی کے خطرات زیادہ ہیں اس کی جڑ ہی کاٹ دی گئی اور قبولیت حج اور معافی عام کے لئے شرط لگادی گئی کی زبان پر بھی ایسی بات نہ آئے اگر غلطی سے بھی دل میں برا خیال پیدا ہو تو اس کو کھرچ کر پھینک دیا جائے کہ عمر بھر کی کمائی کا مسئلہ ہے، ساری محنت خاک میں مل جائے گی اتنے بڑے مجمع میں ایک بڑا مسئلہ آپس کی خوش خلقی کا ہے اسباب کی بھی دشواریاں ہیں، کھانے پینے کی پریشانی ہوسکتی ہے، سواریوں کا بھی مسئلہ ہے لیکن صاف کہہ دیا گیا ہے "ولا جدال فی الحج" حج میں کوئی جھگڑا اور نزع نہ ہونا چاہئے ایک جگہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپس کا جھگڑا دین کو اس طرح صاف کردیتا ہے جیسے استرے سے سر کے بال صاف کردئے جائیں اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "وما بر الحج" حج کی نیکی کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "افشاء السلام وإطعام الطعام" سلام کو عام کرنا اور دوسروں کو کھانا کھلانا، سلام حقیقت میں سلامتی کی دعا ہے آدمی بار بار اپنے بھائی کو دعا دے گا تو محبت پیدا ہوگی اس طرح دشواری کے باوجود دوسرے کو بھی (خاص طور پر جب وہ ضرورت مند ہو) اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرے گا تو بھی محبت میں اضافہ ہوگا اور خود بہ خود بدخلقی دور ہوگی ان آداب کے ساتھ انشاء اللہ جب حج کی ادائیگی ہوگی تو وہ حج مبرور ہوگا اور اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا۔

رب العالمین کے دربار میں حاضری ہونے کے بعد بڑی محرومی ہے کہ آدمی محبوب رب العالمین کے دربار میں حاضر نہ ہو، عاشقانہ ومستانہ وار آنکھوں اور سر کے بل حاضری دی جائے کہ ہمیں دین کی دولت آپ ﷺ ہی کی بدولت ملی وہاں کے مقام کا سب سے بڑا تحفہ درود وسلام کی کثرت ہے۔

دونوں جگہ کا خاص خیال رہے کی نمازیں حرم میں ہی ادا کی جائیں کہ حرم مکی میں ان کا ثواب ایک لاکھ اور حرم نبوی میں کئی ہزار گنا بڑھ جاتا ہے دونوں جگہیں بابرکت ہیں خوب دل کھول کر اپنے لئے اپنے عزیزوں اور اہل تعلق کے لئے اور ساری امت کے لئے دعائیں مانگئے یاد آجائے تو اس عاجز کو بھی شامل کرلیں۔

وفیات

عزیزہ امامہ مرحومہ

دختر برادرِ معظم مولانا سید محمد ثانی (رحمۃ اللہ علیہ)

از ..... (مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

عزیزہ سیدہ امامہ بنت برادر معظم مرحوم مولانا سید محمد ثانی حسنی (رحمۃ اللہ علیہ) وزوجۂ سید حسن حسنی (ابن برادر محترم سید محمد مسلم حسنی أطال اللہ بقاءہ) نے (۵۸) سال کی عمر میں ایک وقتی مرض کے علاج کے خراب ہوجانے کے نتیجہ میں ۱۴ر شعبان ۱۴۲۶ھ دوشنبہ کی شب کو اس دار فانی سے دار باقی کو کوچ کیا۔

عزیزہ مرحومہ اپنے خاندان میں اپنے بڑوں کی طرف سے اپنے حسن کردار کی بناپر بہت لائق قدر تھیں، اور اپنے چھوٹوں کی طرف سے محبت اور احترام کی مالک تھیں، ان کا نشو ونما اپنے دادیہالی اور نانیہالی سرپرستوں کی خصوصی توجہ اور شفقت کے ساتھ ہوا تھا۔ ان کی دادی سیدہ لمۃ العزیز صاحبہ جو میری اور میرے بھائیوں کی والدہ، اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی بڑی بہن تھیں، بڑے حسن اخلاق اور غریب پروری، صلہ رحمی، اور نئی نسل کی تربیت ایمان اور حسن اخلاق پر کرنے کی خصوصی صفات رکھتی تھیں۔ انہوں نے اپنی ان پوتی کے ساتھ جو ان کے پوتے پوتیوں میں سب سے پہلے تھیں، خصوصی توجہ رکھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی ان دادی صاحبہ کی بہن مشہور مصنفہ اور عالمہ سیدہ لمۃ اللہ تسنیم صاحبہ عرف عائشہ بی، دونوں کی والدہ جو مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی بھی والدہ تھیں، سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ جو اپنے پورے خاندان میں نیکی اور دینی و دنیاوی سمجھ اور نئی نسل کی تربیت کے معاملہ میں بڑا امتیاز اور شہرت رکھنے والی تھیں، ان سب کی توجہ وتربیت سے عزیزہ امامہ کو اپنے بہن بھائیوں میں بڑی ہونے کی وجہ سے خصوصی طور پر استفادہ کا موقع ملا، جو عزیزہ کی زندگی میں نمایاں طور پر محسوس کیا گیا۔

ان میں طبیعت کی نرمی، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، بڑوں کا احترام، خود تکلیف اٹھانا اور دوسرے کو تکلیف سے بچانا، سب سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا، دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھنا، اصلاح ونصیحت کی حامل کتابوں کا مطالعہ، سیرت و اخلاق کی خوبی اور اسی کے مطابق اپنے چھوٹوں کو نصیحت، ان کی خصوصیات میں شامل تھا۔ وہ اپنے والد ماجد مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے اجراء کردہ رسالہ ''رضوان'' کے ادارۂ تحریر میں تھیں۔ ان کی سب بڑی خوبی یہ رہی کہ جس طرح ان کی دینی و اخلاقی اور حسن عمل کی حامل شخصیت بنانے میں ان کے سرپرستوں کا ہاتھ رہا، اسی طرز کو انہوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کے لئے اختیار کیا، اور ان کو اپنے خاندانی طریقہ پر جو دنیاوی منافع پر دینی فلاح و صلاح کو ترجیح دینے کا اپنے بڑوں کا ورثہ ملا تھا، اسی کو انہوں نے بخوبی اختیار کیا، اور اسی نہج پر اپنے بچوں کو تعلیم دی۔

ان کے تین بیٹے ہوئے، انہوں نے تینوں کے لئے علم دین کے حصول کو ترجیح دی، اور اپنی دونوں بیٹیوں کی بھی اسی نہج پر تربیت کی۔ اس کے نتیجہ میں ان کے بیٹے اور بیٹیاں سب دین ودنیا کے معقول اور معتدل راہ، اور علمی لحاظ سے بھی امتیاز کی راہ پر چلے، اور انہوں نے زندگی کے مناسب اور صحیح طور وطریق اختیار کئے۔ ان کے بڑے بیٹے سید محمود حسن حسنی ندوی استاد مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، اور شریک ادارۂ تحریر پندرہ روزہ ''تعمیر حیات''، اور دوسرے بیٹے سید مسعود حسن حسنی ندوی رکن دارالافتاء دار العلوم ندوۃ العلماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تیسرے بیٹے سید منصور حسن حسنی نے بھی دار العلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت کے مرحلہ کو پورا کر کے عالم بنے۔ اسی کے ساتھ ان کی دونوں بیٹیوں کو بھی عالم دین اور باصلاحیت شوہر ملے، بیٹیوں میں ایک بیٹی حافظۂ قرآن بھی ہے۔

عزیزہ امامہ نے اپنی مذکورہ بالا صفات کے سلسلہ میں اپنے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے جو بڑے مصنف اور معروف عالم دین وعامل دین ودعوت شخص تھے، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز بیعت بھی تھے، اور نیک نفسی، نرم مزاجی اور سب کے ساتھ خیر خواہی، چھوٹوں اور بڑوں کے حقوق کی ادائیگی، ان کی سیرت میں داخل تھی، جس کی وجہ سے وہ اپنے علم وعمل کی خوبی کے ذریعہ اپنے وطن اور قرب و جوار میں معروف و محبوب تھے، ان سے عزیزہ امامہ مرحومہ نے ان کی صفات کا اچھا ورثہ حاصل کیا تھا، جس کو سب تعلق والے محسوس کرتے تھے، چنانچہ اپنے بچوں بچیوں کی حسن تربیت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے شوہر عزیزی سید حسن حسنی کے ساتھ ایک بہت نرم خو، معاملہ فہم، ہمدرد اور مونس رفیقۂ حیات کی حیثیت سے وقت گذارا، اور ان کی قدردانی کی مستحق رہیں۔ سال گذشتہ ان کے ساتھ حج کے لئے بھی گئیں، اور اس کی سعادت سے مشرف ہوئیں۔

ان کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی پیدا فرمائی کہ وہ اپنے بڑوں کی فرمانبردار، چھوٹوں کے ساتھ شفیق، اعزہ اور اہل تعلق کے حقوق کا پورا خیال رکھنے والی اور غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ ہمدردی کرنے والی، اور دینی رجحان اور پسند کو ترجیح دینے والی اور رائج الوقت برائیوں سے اور غیر سنجیدہ رجحانات سے پرہیز کرنے والی تھیں، اسی لئے ان کے اچانک غیر معمولی مرض میں مبتلا ہوجانے اور اسی میں انتقال کر جانے کے واقعہ کو دور وقریب بہت محسوس کیا گیا، اور خاندان کے افراد اور جو بھی خاندان سے تعلق و واقفیت رکھنے والے حضرات ہیں، انہوں نے اس کو ایک خسارہ اور صدمہ کی بات محسوس کی۔ جگہ جگہ ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

خود انہوں نے ایک آسان آپریشن کے خراب ہوجانے سے جو درد و تکلیف محسوس کی، اور اس کا تسلسل دیکھا تو ان کو اپنے سفر آخرت کے قریب آجانے کا احساس ہوگیا، اور انہوں نے اپنے تیمار داروں سے ایمان پر خاتمہ کی دعا کی درخواست کی، اور تکلیف و علالت کی حالت میں بھی نمازوں کی وقت پر پابندی کا اہتمام کیا، اور اس میں اپنے تیمار داروں سے مدد لی۔ اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے سب کو یہ امید قوی قائم ہوئی کہ ایمان اور صلاح وتقوی کے ساتھ انہوں نے آخرت کا سفر کیا، اللہ تعالیٰ ان کی بھرپور مغفرت فرمائے، اور اپنی رحمت خاصہ سے نوازے، آمین۔

عزیزہ مرحومہ نے اپنے نانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ کو بھی جو ایک ممتاز طبیب و عالم دین اور حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی اور مربی تھے، اچھی طرح دیکھا تھا، اور ان کی محبتیں پائی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ صاحبزادی بھی جو مرحومہ کی والدہ تھیں، بڑی خصوصیات والی اور نیک طینت خاتون تھیں، اور اپنی سنجیدگی اور دینی صلاح کے لحاظ سے خاندان میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، ان کی خوبیوں کا پرتو بھی ان پر پڑا تھا۔

عزیزہ سیدہ امامہ اپنے والدین کی تنہا ایک بیٹی تھیں، اور ان کے ایک بھائی بھی تنہا ہیں، جو ان سے عمر میں کچھ چھوٹے ہیں، مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی (مدیر ماہنامہ ''رضوان'' وناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)۔ الحمد للہ انہوں نے اور مرحومہ کے شوہر سید حسن حسنی اور صاحبزادگان نے صبر ورضا بالقضا کے اسلامی طریقہ کے مطابق اس حادثہ کو برداشت کیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی نیکیوں کا وافر اجر عطا فرمائے، اور لغزشوں کو معاف کرے، اور پس ماندگان کو اس سانحہ پر صبر کا بہتر بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

مرحومہ میری بھتیجی تھیں، اور اپنے والد کے انتقال ہوجانے سے ان کا تعلق مجھ سے مزید بڑھ گیا تھا، جس کے سبب میرے لئے بھی یہ سانحہ بہت رنجدہ رہا، لیکن ﴿لله ما أعطى وله ما أخذ، وكل شئ عنده لأجل مسمى﴾ اللہ نے جو دیا وہ بھی اللہ کا ہے، اور جو واپس لیا وہ بھی اسی کا ہے، اور اس کے یہاں سے ہر شے کی مدت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی نیکیوں کا اضعافاً مضاعفہ صلہ عطا فرمائے اور لغزشوں کو معاف کرے۔

کیا آپ کو واقعی اپنے بچوں سے سچی محبت ہے؟

اگر واقعی محبت ہے تو انھیں جہنم کی طرف جانے سے روکیئے، اس وقت ہر صاحب ایمان کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ آخرت پر ہر طرف سے یلغار ہے۔ ایک ہی سوال ہے، ایمان کیسے بچایا جائے؟ اس زہر کے تریاق کے لئے اب سے ساٹھ سال پہلے حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادیؒ نے ملک کے نامور علماء کی سرپرستی میں معصوم بچوں کے لئے ایک کامیاب نصاب تعلیم تیار کیا تھا جس میں بچوں کی زبان اور نفسیات کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ مدارس کے علاوہ انگلش میڈیم اسکولوں نے اپنے دینیات کے کورس میں ان کتابوں کو شامل کیا ہے۔ مکمل اٹھارہ کتابوں کے سٹ کی رعایتی قیمت صرف -/115 روپے ڈاک خرچ مزید -/35 روپے تاجروں کے لئے خصوصی رعایت (بعد کمیشن) ایک ہزار روپے کی نقد خریداری پر چالیس فیصد۔ پیشگی رقم بذریعہ بینک ڈرافٹ

Maktaba Deen wa Danish

کے نام روانہ کیجئے

Ph:0522.2740256 Mob:9415005204

مکتبہ دین ودانش مکارم نگر لکھنؤ-20

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین ''تعمیر حیات'' سے گزارش ہے کہ ''تعمیر حیات'' کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA

44,Haji Building, S.V.Patel Road

Null Bazar, Mumbai-400003

Tele: Add Cupkettle

ڈاکٹر عبدالحلیم ندویؒ کی وفات

● ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

تعمیر حیات بابت ۲۵ راکتوبر ۲۰۰۵ء میں جہاں مغفرت کے لئے مختلف افراد کی وفیات کی خبریں شائع ہوئی ہیں ان میں ڈاکٹر اجتباء ندوی کے حوالہ سے ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی کے انتقال کی خبر شائع ہوئی ہے، ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی چند سال پہلے ندوہ کی مجلس انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے تھے، اور اپنی صحت کی خرابی کی بنا پر کسی جلسہ میں شرکت نہ کر سکے۔ یہ خبر نمایاں اور ایک تعزیتی نوٹ کے ساتھ شائع ہونے کی مستحق ہے۔

مرحوم دارالعلوم میں مجھ سے ایک سال سینئر اور مولانا معین اللہ صاحب ندوی مرحوم کے کلاس فیلو تھے، اس دور کے تقریباً تمام ہی لوگ راہی عدم ہو چکے۔ مولانا معین اللہ صاحب مرحوم، مولانا ظہور صاحب، بانی مدارس تحفیظ القرآن، پڑتاپ گڑھ، مولانا عبدالغفار صاحب، قیم جماعت اسلامی لکھنؤ، مولانا ابوالعرفان خاں صاحب، سب اسی بیچ کے تھے، اب شاید ہی کوئی اس گروہ میں باقی رہا ہو، جو زندہ ہیں "کشتۂ تیغ حیات ہیں"۔

مرحوم عبدالحلیم اور مرحوم محمد شبیر ندوی یہ دونوں ۱۹۴۳ء کے اسٹرائک میں دارالعلوم سے خارج کر دیئے گئے تھے، محمد شبیر صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ ندوہ سے نکلنے کے بعد ان لوگوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مرحوم کو خط لکھا کہ ہم دونوں کا ندوہ میں باغیوں میں شمار ہوا ہے، کیا ہم لوگوں کے لئے جامعہ میں کوئی تعلیمی یا تربیتی خدمت مل سکتی ہے؟ ذاکر صاحب نے جواب دیا کہ آپ ضرور آیئے مجھے باغیوں کی ضرورت ہے، جب یہ لوگ پہلی مرتبہ ذاکر صاحب سے ملے تو شبیر صاحب ندوی دیکھنے میں کچھ لانبے اور ان کے چہرہ پر داڑھی آچکی تھی، حلیم صاحب قد میں کم اور رنگ گہرا سانولا گورکھپور کے رہنے والے تھے، ذاکر صاحب نے عبدالحلیم صاحب سے کہا آپ پڑھئے اور محمد شبیر صاحب سے کہا آپ میرے ساتھ کام کیجئے۔(۱)

عبدالحلیم صاحب عربی بہت تیز بولتے تھے اور تیز لکھتے تھے، اب یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان کی تقریر زیادہ اچھی تھی یا تحریر، یا یوں کہئے، تقریر سے اچھی تحریر اور تحریر سے اچھی تقریر۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں، علی گڑھ سے Ph.D. اور M.A. کیا، اور جس کتاب پر انہوں نے ریسرچ کیا۔(۲) اس کے علاوہ اردو میں تاریخ ادب عربی پر دو یا تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جاہلی اور اسلامی مکمل کر چکے تھے، عباسی دور کی تحریر سے پہلے ان کی صحت نے جواب دے دیا، اس سے پہلے وہ جامعہ میں لکچرار اور ریڈر ہونے کے بعد حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر رہے، اسی شعبہ کی سربراہی کئی سال سے پروفیسر محسن عثمانی ندوی کر رہے ہیں۔ آخر عمر میں ان کی خواہش ہوئی کہ لکھنؤ آکر رہیں اور یہاں ندوہ سے قریب کوئی زمین تلاش کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا اس کی تفصیل مجھے معلوم نہیں، جب وہ لکھنؤ آئے تو راقم نے اس وقت کے نائب ناظم مولانا سید رابع میاں ندوی سے خواہش کی تھی کہ ان سے کوئی لکچر ضرور دلایا جائے، کیونکہ مرحوم مجھ سے یہ شکایت کر چکے تھے کہ ہمیں کوئی اپنا مادر علمی میں پوچھتا نہیں۔ بہر حال ندوہ نے ان کے احترام اور عزت افزائی میں کوئی کمی نہیں کی تھی، مگر حالات ایسے تھے کہ ان کے موضوع پر ندوہ میں خود کتابیں تیار ہو چکی تھیں، اور اساتذہ اور طلبہ مانوس تھے۔

ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب ندوی نے گورکھپور میں آنکھ کھولی، اور وہیں پرورش پائی، پھر غالباً مولانا عبدالغفار صاحب نگرامی کے مدرسہ میں پڑھ کر ندوہ میں داخل ہوئے، مجھے اس کی تحقیق نہیں ہے۔

مرحوم کے ایک ساتھی اور بہت ہی نامور، ہونہار دوست علی احمد کیانی مرحوم تھے، جن کے بارے میں حضرت مولاناؒ نے "پرانے چراغ" میں ضمناً ان کا ذکر کیا ہے، اور نوسطروں میں ان کو محبت اور شفقت سے یاد فرمایا ہے، وہ پاکستان جا کر علامہ کیانی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے، مگر جب ہندو پاکستان کے درمیان پاسپورٹ کا سلسلہ شروع ہوا تو چلے آئے۔ عبدالحلیم صاحب ان کے خاندان کے ایک فرد ہو گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو صالح اولاد عطا فرمائی، آخر عمر میں اپنے پوتے اور بہو کو ساتھ رکھا جو ان کی تیمارداری بھی کرتے اور دیکھ بھال بھی کرتے، کئی سال سے ذہنی طور پر ماؤف ہو چکے تھے، بڑی مشکل سے کسی کو پہچانتے، سوائے چند احباب خصوصی اور افراد خاندان کے دنیا سے کنارہ کش تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور اپنے صالح بندوں کے ساتھ اٹھائے۔

---

(۱) محمد شبیر صاحب ندوی نے اپنی جامعہ کی زندگی پر ایک کتاب لکھی ہے "دیار شوق" اچھی اور جاندار کتاب ہے۔

(۲) جس مقالہ پر مرحوم نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اس کا نام ہے "منہج النویری فی کتابہ نہایۃ الأدب فی فنون الأدب" یہ مقالہ مرحوم کا بڑا علمی کارنامہ تھا۔

ندوہ کے لیل ونہار

ا۔ش

● مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں الحمدللہ تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے اور ندوہ کے بام ودر ایکبار پھر قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھے ہیں۔ تعلیمی سال کے ۶ رشوال کے پہلے دن سے شروع ہونے والی داخلہ کی کاروائیوں میں دفتر دارالعلوم ماہ شوال المکرّم کے تقریباً آخر تک نہایت منہمک رہا اور دفتری عملہ کے علاوہ مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی کی قیادت ورہنمائی میں دارالعلوم کا تدریسی اسٹاف بھی اس مبارک کام میں شریک رہا حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی بھی ان دنوں دیگر مشغولیتوں کے باوجود داخلہ کی کاروائیوں میں رہبری ورہنمائی فرماتے رہے اب الحمدللہ تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا ہے درجوں میں طلبہ واساتذہ کی حاضری سے دارالعلوم کی رونق وبہار لوٹ آئی ہے۔

● ۸ر دسمبر جمعرات کو حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے ہاتھوں مسجد دارالعلوم میں منعقدہ ایک مبارک تقریب میں "النادی العربی" کا افتتاح عمل میں آیا جس سے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم اور دیگر اساتذہ نے بھی خطاب کیا۔ عربی زبان میں تحریر وتقریر پر عبور حاصل کرنا ندوہ کا شانِ امتیاز ہے اور النادی العربی ندوہ کی اس بنیادی خصوصیت کو پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کرتی رہی ہے۔

● امسال رابطہ ادب اسلامی کا اجلاس پوری آن بان اور شان وشوکت کے ساتھ غازی پور میں انعقاد پذیر ہوا حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء، جناب مولانا واضح رشید ندوی اور حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کے علاوہ ندوہ کے تقریباً سارے قلم پردازوں اور ملک گیر سطح کے حاملین علم وادب اور فکر اسلامی کے قلم کاروں نے اس میں شرکت کرتے ہوئے اجلاس رابطہ ادب اسلامی کو رونق بخشی۔

● ۹ر دسمبر جمعہ کو بعد نماز جمعہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء دلی کے لئے روانہ ہوئے دلی کے علاوہ حضرت والا مختلف مقامات پر تشریف لے جائیں گے جس کی تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ شمارہ کی زینت ہوگی۔

● ● معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی کی علالت کی خبروں سے ندوہ میں تشویش رہی۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق الحمدللہ مولانائے محترم ان دنوں روبصحت ہیں۔ اراکین دارالعلوم مولانائے محترم کی صحت یابی کے لئے دعا گو ہیں۔

● ندوہ میں داخلہ کی کاروائیوں کا تذکرہ نامکمل رہے گا اگر معہد دارالعلوم سکروری میں داخلہ کی کاروائیوں کا تذکرہ نہ کیا جائے الحمدللہ وہاں بھی نئے داخلوں کے سلسلہ میں کافی سرگرمی رہی۔ امسال درجہ حفظ کے دور کے طلبہ واستاذ گرامی سکروری میں تعلیمی سلسلہ میں منتقل ہو گئے۔ درجۂ حفظ میں بھی ماشاء اللہ نئے داخلے ہوئے اور اس کے نظام میں مزید بہتری لانے کی ممکنہ کوششیں جاری ہیں۔

● ندوہ میں تعمیراتی کاموں کا سلسلہ بھی الحمدللہ جاری ہے۔ شفاخانہ کی سہ منزلہ عمارت تکمیل کے قریب ہے اسی طرح سکروری میں بھی تعمیراتی کاموں سے جنگل میں منگل کا سماں ہے۔

● دارالعلوم میں نئے داخلوں نیز شاخوں سے آئے ہوئے طلبہ کی وجہ سے رونق میں اضافہ بھی ہوا اور رواق (Hostels) میں جگہ کی کچھ کمی کا احساس بھی ہو رہا ہے جس پر جلد ہی ان شاء اللہ قابو پالئے جانے کی توقع ہے۔

● تعلیمی سال کی بس ابتدا ہوئی ہے ابھی تعلیمی وثقافتی اور تربیتی سرگرمیاں اس کی رونق وبہار میں ان شاء اللہ اضافہ ہی کرے گی۔ ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ العالی کی تشریف آوری سے درس بخاری کے ذریعہ اس کی بسم اللہ ہو گئی ہے۔

● ● ●

ہوں لاکھوں سلام ان پر

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

وہ شافع مدینہ ہیں، ہوں لاکھوں سلام ان پر
ہر دل سکینہ ہیں، ہوں لاکھوں سلام ان پر

وہ شافع محشر ہیں، وہ ساقی کوثر ہیں
ناز مہ واختر ہیں، ہوں لاکھوں سلام ان پر

سرکار دوعالم ہیں، ہر ایک کے ہمدم ہیں
وہ نازشِ آدم ہیں، ہوں لاکھوں سلام ان پر

ہر ایک غلام ان کا، عالی ہے مقام ہے ان کا
ہر لب پہ ہے نام ان کا، ہوں لاکھوں سلام ان پر

وہ اعظم وافضل ہیں، وہ اکرم واکمل ہیں
وہ احسن واجمل ہیں، ہوں لاکھوں سلام ان پر

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ ممالک مشرقیہ کا ۲۳واں مذاکرۂ علمی، مدرسہ دینیہ غازیپور میں

رپورٹ از: مولانا ڈاکٹر صدرالحسن ندوی مدنی

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر و ممالک مشرقیہ کے ۲۳ویں سالانہ مذاکرۂ علمی کے افتتاحی اجلاس کا آغاز ''اردو زبان وادب کے ارتقاء میں علماء کی خدمات'' کے موضوع پر ساحل گنگا پر آباد تاریخی اہمیت کے حامل شہر غازیپور یوپی کی قدیم و پُرشکوہ عمارت ''ٹاؤن ہال'' میں مدرسہ دینیہ غازیپور کے زیر اہتمام صدر رابطہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی صدارت میں بتاریخ ۲۲ رشوال ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۵ رنومبر ۲۰۰۵ء بروز جمعہ صبح دس بج کر پندرہ منٹ پر ہوا۔ صدر اجلاس کے علاوہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی سکریٹری عالمی رابطہ ادب اسلامی (برصغیر)، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، داعی اجلاس مولانا عزیز الحسن صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازیپور اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ شہ نشیں پر تشریف فرما تھے۔

مدرسہ دینیہ کے طالب علم پرویز عالم کی تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا، اس کے بعد محمد منہاج الدین (طالب علم مدرسہ دینیہ) نے علامہ اقبال کی مشہور نظم پڑھی:

اے اہل نظر! ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا

داعی اجلاس مولانا عزیز الحسن صدیقی نے خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا، جس میں مندوبین کرام کا استقبال اور غازی پور کی تاریخی حیثیت اور اس خطہ کے علماء کرام کی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا، اور اردو زبان وادب کے میدان میں ان کی علمی وتحقیقی کاوشوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد سکریٹری عالمی رابطہ ادب اسلامی (شعبۂ برصغیر) مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی رپورٹ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے نیابۃ پیش کی۔ سکریٹری رپورٹ عربی میں تھی، اس کا اردو ترجمہ مولانا اقبال احمد ندوی غازیپوری کے قلم سے تھا۔ سکریٹری رابطہ ادب اسلامی نے اپنی رپورٹ میں بہ بانگ دہل اس حقیقت کا اعلان کیا کہ:

''معاصر ادبی دنیا میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ ادب کا دین و مذہب اور اخلاق و روحانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ خیال ان لوگوں کا ہے جو ارسطو کے افکار و خیالات پر مبنی مغربی دبستان فکر سے متاثر ہیں اور اس کے خوشہ چیں ہیں۔ عربی ادب میں یہ خیال قدامہ بن جعفر اور ان جیسے دیگر ادباء کے ذریعہ سے عام ہوا، پھر اس کو موجودہ یورپی لٹریچر سے متاثر حضرات نے اپنایا، جن کے یہاں دین کا مذاق، اخلاقی تعلیمات کی مخالفت اور فاشی و بے حیائی ادب کی علامت سمجھی جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ادب کے حاملین اور دیندار لوگوں میں کشمکش ہوئی اور دونوں کی راہیں جداگانہ قرار پائیں، اور پھر دیندار لوگوں نے اس کے اثر سے ادب ہی کو قابل رد اور حقیر و ہیچ سمجھا اور اس سے غفلت و لاپرواہی برتی۔ اس سیمینار کے لئے موجودہ موضوع کا انتخاب افراط وتفریط کے حامل ان دونوں پہلوؤں کو جمع کرنے اور اپنی میراث اور اسلاف کی کاوشوں کی بنیاد پر ان میں اعتدال وتوازن قائم کرنے کی ایک کوشش ہے، اور ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ہمارا یہ مذاکرۂ علمی اس مطلوبہ مقصد کے لئے نقطۂ آغاز ثابت ہوگا۔ و باللہ التوفیق۔''

سکریٹری صاحب نے اپنی رپورٹ میں اس حقیقت کا بھی اظہار کیا کہ اب تک ہندوستان کے مختلف بڑے مرکزی شہروں میں رابطہ ادب اسلامی کے ۲۲ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، جو رابطہ ادب اسلامی کی مقبولیت اور اس کے دوررس اثرات کے تئیں صالح اقدار کے حامل ادباء کی کاوشوں کی اثر پذیری کی دلیل ہے۔ اور ادب کا مقصد، اس کی غرض و غایت اور اس کے راستہ کی تعیین و وضاحت کے مقصد ہی سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس رابطہ کی بنیاد ڈالی تھی، کیونکہ ادب ایک دو دھاری تلوار ہے، اس سے خیر کا بھی کام لیا جا سکتا ہے اور شر کا بھی۔ یہ انسانی اخلاق و کردار کی تعمیر کا بہترین وسیلہ بھی ہے، اور لوگوں کو انسانی اخلاق کی پستی کی ڈگر سے ہٹا کر تعمیر و تشکیل اور اصلاح و درستگی کی شاہراہ پر ڈالنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی۔

سکریٹری رپورٹ کے بعد صدر اجلاس و صدر رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا خطبۂ صدارت مولانا اقبال احمد ندوی غازیپوری آفس سکریٹری رابطہ ادب اسلامی نے

باقی ص ۱۲ پر

امریکی قیادت اور عالمی ضمیر

از..... پروفیسر خورشید احمد

جمہوریت نے تو عوام کی پسند اور ناپسند کو معیاری حیثیت دینے کا کارنامہ دور جدید میں انجام دیا ہے اور اب رائے عامہ کے عالمی جائزے اس کا ایک اہم پیمانہ بن گئے ہیں، لیکن انسانی ضمیر نے ہمیشہ عوام کے جذبات واحساسات کو ہوا کا رخ جاننے اور بھلے اور برے میں تمیز کرنے کا ذریعہ سمجھا ہے۔ پرانی کہاوت ہے:

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
برا کہے جسے دنیا اسے برا سمجھو

پچھلے دماہ میں ایسے کئی اہم جائزے سامنے آئے ہیں جن کے آئینے میں امریکہ کی موجودہ قیادت، خصوصیت سے صدر بش اور ان کی نیوکون (Neo-Con) ٹیم کے بارے میں اور اس سے بھی زیادہ امریکہ کی جاری پالیسیوں کے بارے میں عالمی رائے عامہ اور دنیا اور دنیا کے چوٹی کے تھنک ٹینکس کی حالیہ سوچ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ آج صدر بش دنیا کی واحد سوپر پاور کے کرتا دھرتا ہیں۔ وہ اور ان کے انتہا پسند حواری دنیا پر بزعم خود جمہوریت مسلط کرنے کے داعی ہیں بلکہ اس کے لئے جنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، لیکن جمہوریت کے یہ علم بردار ایک لمحہ توقف کر کے اس بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ جن پر وہ ''جمہوریت'' نازل کرنے چاہ رہے ہیں وہ خود بش صاحب اور امریکہ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔

امریکہ کے صدارتی انتخابات کے بعد سے امریکہ میں رائے عامہ کے تمام جائزے یہ بتا رہے ہیں کہ صدر بش کی مقبولیت کا گراف خود امریکہ میں مسلسل نیچے جا رہا ہے اور تازہ جائزوں کے مطابق ۶۱ فیصد آبادی اب ان سے، ان کی کارکردگی سے اور ان کی قائدانہ صلاحیتوں سے مایوس ہے۔

اس سے زیادہ دلچسپ اور چشم کشا نتائج اس سروے کے ہیں جس میں دنیا بھر سے ۱۵ ہزار افراد نے شرکت کی اور جس کا اہتمام بی بی سی نے کیا تھا اور جسے Power play game (اقتدار کا کھیل) کا نام دیا گیا تھا۔ ان پندرہ ہزار افراد نے ایک باہمی عمل کے ذریعہ عالمی رائے کی روشنی میں گیارہ افراد کی ایک ٹیم کا انتخاب کیا جو دنیا کی صحیح رخ پر قیادت کرے اور انسانی مسائل کو حل کر سکے۔ اس جائزے کے نتیجے میں جن گیارہ افراد کا انتخاب ہوا ان میں سرفہرست جنوبی افریقہ کے نیلسن میڈیلا ہیں۔ بل کلنٹن نمبر دو پر ہیں اور کوفی عنان گیارہ ہویں ہیں۔ دلچسپ اور قابل غور بات یہ ہے کہ اس ٹیم میں کسی اور سیاست داں کا انتخاب نہیں کیا گیا۔ اس کے برعکس جن افراد کو مذہبی قیادت فراہم کرنے کی نسبت حاصل ہے ان میں سے دو اس میں آسکے ہیں، یعنی دلائی لاما اور آرچ بشپ ڈیسمونڈ ٹوٹو۔ موخرالذکر کا تعلق بھی جنوبی افریقہ سے ہے اور وہاں کے Truth Cimmission کے سربراہ تھے۔ امریکی پالیسیوں کے ناقد نوم چومسکی کو اس ٹیم میں نمبر چار پر شریک کیا گیا ہے۔ باقی پانچ افراد کا تعلق آئی ٹی اور عالمی مالیات سے ہے۔ جارج بش کا نمبر ۴۳ ہے، جب کہ ان کے دو بڑے ناقد ہیوگو شاواز اور فیڈل کاسترو نے ۳۳ ویں اور ۳۶ ویں پوزیشن حاصل کی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس جائزے میں سو میں صرف ایک مسلمان کا نام آتا ہے اور وہ ہے اسامہ بن لادن جس کا نمبر ۷۰ واں ہے۔ بش کے ناقدین میں امریکہ کا مشہور صحافی اور مصنف مائیکل مور بھی ہے جس کا نمبر ۱۵ ہے، یعنی بش سے ۲۸ منزلیں اوپر ہے۔

رائے عامہ اور تحقیق کے امریکی ادارے Pew اور گیلپ کے تمام جائزے بھی ایسی ہی تصویر پیش کرتے ہیں۔ مغربی ممالک میں امریکہ کی قیادت اور پالیسیوں سے بے اطمینانی کا اظہار ۶۰ سے ۷۰ فیصد آبادی کر رہی ہے اور عالم اسلام میں یہ بے زاری اور نفرت ۷۰ فیصد تک ہے۔

رائے عامہ کے تمام جائزے تسلسل کے ساتھ عالمی ضمیر کا جو فتویٰ پیش کر رہے ہیں، اس کی توثیق ایک ایسے ادارے کی طرف سے بھی ہوئی ہے جس کے بارے میں کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس کے اعلانات سے بھی ہوا یہی رخ سامنے آئے گا۔ ہماری مراد ہے سویڈن کے نوبل انعام کا فیصلہ کرنے والی عالمی کمیٹی۔ گزشتہ دو ہفتوں میں دو اہم ایوارڈ جن شخصیات کو دیے گئے ہیں وہ بھی اسی رخ کی تائید کرتے ہیں۔ پہلا امن کا نوبل انعام ہے جو ویانا کی عالمی ایٹمی توانائی کی اتھارٹی اور اس کے سربراہ ڈاکٹر البرادی کو ملا ہے جس سے بش اور امریکہ اتنے خفا تھے کہ اس مدت میں توسیع کی سرتوڑ مخالفت کر رہے تھے اور اس میں ناکام رہے۔ البرادی نے عراق میں تباہ کن ہتھیاروں (WMD'S) کے امریکی ڈھونگ میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور اتھارٹی کے انسپکٹر برٹس (Brits) نے امریکہ کو انسپکشن ٹیم کے

سارے کام کو سبوتاژ کرنے کا مجرم قرار دیا تھا۔ البرادی کو امن کا انعام ملنا صدر بش اور امریکہ کی قیادت کے منہ پر ایک طمانچہ تھا اور امریکی قیادت اس پر اتنی جز بز ہوئی کہ کمیٹی کو یہ وضاحت کرنا پڑی کہ ہمارا فیصلہ معروضی حقائق پر مبنی تھا اور اسے کسی کے خلاف سمجھنا صحیح نہیں۔

ابھی امریکہ کی قیادت اس زخم کو چاٹ رہی تھی کہ نوبل کمیٹی نے ایک اور بم گرادیا۔ اس سال ادب کا نوبل انعام برطانیہ کے ادیب اور ڈراما نویس ہیرلڈ پنٹر (Harold Panter) کو دیا گیا ہے۔ ہیرلڈ پنٹر ویسے تو مشہور ادیب ہے اور ۱۹۶۰ء کی دہائی سے اسے ادبی اور ثقافتی حلقوں میں خاص مقبولیت حاصل ہے۔ اس کا پہلا ڈراما The Birthday Party ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا اور اسٹیج بھی ہوا لیکن گزشتہ دس برس سے اس کی شہرت ڈراموں سے بھی زیادہ اس کے سیاسی بیانات اور سرگرمیوں کی بنا پر ہے۔ بلاشبہ اس کے ڈراموں میں بھی سیاسی رنگ موجود ہے۔ دنیا کے بے سہارا اور مجبور انسانوں کے غم کو اس نے ادب کی زبان میں بیان کیا ہے بلکہ انداز بیان بھی منفرد ہے کہ وہ روانی اور لسانی چاشنی کے مقابلے میں بے ترتیبی اور ابہام کو ذریعہ بناتا ہے جو اس کی نگاہ میں اس دور کے کرب و اضطراب کا مظہر ہے۔ آج اس کی دھوم امریکہ کی تشدد کے خلاف نام نہاد جنگ کی بھرپور سرگرم مخالفت اور بش اور بلیر پر جان دار تنقید کی وجہ سے ہے۔

برطانوی پارلیمنٹ سے باہر ایک مظاہرے کے موقع پر ۲۰۰۲ء میں اس نے کہا تھا۔

بش نے کہا ہے: "ہم دنیا کے بدترین ہتھیاروں کو دنیا کے بدترین رہنماؤں کے ہاتھوں میں جانے کی اجازت نہیں دیں گے"۔ بہت خوب! سامنے آئینہ دیکھو، یہ تم ہو!

ستمبر ۲۰۰۴ء میں امپیریل وار میوزیم کی تقریب میں اس نے کہا:

آزادی اور جمہوریت..... بش اور بلیر کے نزدیک ان الفاظ کا موت، تباہی اور انتشار ہے۔

پنٹر نے ۲۰۰۳ء کے اپنے ایک مضمون میں بش کی انتظامیہ کو ہٹلر کے نازی جرمنی سے تشبیہ دی تھی۔ گوانتاناموبے کے قید خانے کو جرمنی کے اجتماعی تعذیب گھروں کا تازہ نمونہ قرار دیا تھا اور صدر بش کو خون کا پیاسا عالمی درندہ اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کو فریب زدہ احمق اور قتل عام کرنے والے کے لقب سے نوازا تھا۔ اس نے امریکی میڈیا پر بھی سخت تنقید کی تھی اور اسے بش کے جرائم میں شریک قرار دیا تھا۔ اس نے اپنی ایک نظم The Bombs میں آج کی سیاسی صورت حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

بم چل رہے ہیں The bombs go off

ٹانگیں دھڑ سے الگ ہو رہی ہیں The legs go off

سر کٹ کر گر رہے ہیں The Heads go of

بیان کے لئے الفاظ There are no more

نہیں مل رہے words to be said

ہمارے پاس اب بموں کے علاوہ کچھ نہیں بم ہمارے سر پھاڑ کر باہر آرہے ہیں۔ All we have left are the bombs' Which burst out of our gead.

ہیرلڈ پنٹر کو ادب نوبل انعام اور ڈاکٹر البرادی کو امن نوبل انعام ان دونوں کے لئے تو اعزاز ہے، لیکن یہ امریکہ، جارج بش اور ٹونی بلیئر کی قیادت پر عالمی ضمیر کے عدم اعتماد (Vote of no-confidence) کا بھی برملا اعلان ہے۔ سچ ہے، جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!

(ماخوذ ترجمان القرآن، لاہور، نومبر ۲۰۰۵ء)

ذوق وشوق میں ڈوبا ہوا

اپنے گھر سے بیت اللہ تک

یہ سفرنامہ صرف روداد سفر نہیں بلکہ حج کے سلسلے کی ساری معلومات اس میں آگئی ہیں اور قدم قدم پر ایسی رہنمائی ملتی ہے جس کے سہارے حاجی اپنا سفر طے کرتا چلا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ حج کے چند مشاہدات و احساسات، حج کے سلسلہ میں شریعت کے حکیمانہ انتظامات کے عنوان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین بھی شامل ہیں۔

مزید یہ کہ اس میں مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء کا مکمل مضمون "حج کے اقسام: طریقے اور آداب" بھی شامل ہے جس کے پڑھنے کے بعد حاجی کو دوسری کتابوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

آخر میں مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظمیں اور گلدستہ حمد وسلام اور مناجات شامل کتاب ہے، قیمت - /۲۵ روپے، خوبصورت کتابت وطباعت

مولانا محمد ثانی حسنیؒ کا حج نامہ

لبیک اللھم لبیک

قیمت -/۳۰ روپے

(محصول ڈاک علاوہ)

مکتبہ اسلام ۲۵۴ تا ۲۵۷ محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ

زلزلۂ پاکستان، چند حقائق اور آنکھوں دیکھا حال

آج سے تقریباً تیس بتیس سال قبل میکسیکو کو کئی دنوں تک زلزلے کی تباہ کن جھٹکوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس سے ہزاروں فلک بوس عمارتیں زمین بوس ہوگئی تھیں۔ اس خبر کو سن کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی ایسی برائی ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے، یہ سن کر ایک صاحب نے ہفت روزہ "صدق جدید" کے حوالہ سے بتایا کہ میکسیکو میں مجرموں کی ایک ٹولی ہے جو ایسی حرکتوں کا ارتکاب کرتی ہے جو درندوں کو بھی شرما دے، مولانا نے یہ سن کر قرآن کی یہ آیات پڑھیں ﴿وما أصابكم من مصيبة بما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير﴾ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ" (الشوریٰ ۴۲ پ ۲۵)

﴿فكلا أخذنا بذنبه، فمنهم من أرسلنا عليه حاصبا ومنهم من أخذته الصيحة، ومنهم من خسفنابه الأرض ومنهم من أغرقنا، وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا أنفسهم يظلمون﴾ ترجمہ: پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر پھر کوئی تھا کہ ہم نے بھیجا پتھراؤ ہوا سے، اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے، اور کوئی تھا کہ دھسا دیا ہم نے زمین میں، اور کوئی تھا کہ اس کو دبا دیا ہم نے، اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے، پھر تھے وہ اپنا آپ ہی برا کرتے (العنکبوت ۴۰)

ان آیات کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دنیا میں پیش آنے والے حوادث وواقعات کی تصویر قرآن نے چودہ سو سال پہلے نہیں آج ہی کھینچ کر رکھ دی ہے، سونامی کی تباہ کن لہریں ہوں یا کیٹرینا طوفان اور کشمیر کا بھیانک زلزلہ ہو، سب اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور کن فیکون کے مطابق ہو رہے ہیں، ان تمام بڑے حوادث ہی نہیں چھوٹے چھوٹے واقعات کے پس پردہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور فعال لمایرید اور یفعل مایشاء کی صفات کارفرما ہیں، ہم اپنے حواس خمسہ پر بھروسہ کر کے ہی یہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ جو لوگ ان حوادث کا شکار ہوئے وہ معصوم و بے گناہ تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جو لوگ نیک ہوں گے وہ اپنی نیت اور عمل کے مطابق حشر کے دن اٹھائے جائیں گے دوسری حقیقت یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھی معاملہ فرماتا ہے اس میں اس کی ایسی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے جس سے ہم انسان واقف نہیں ہوتے، وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہے، اس کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو حوادث کے شکار ہوئے آئندہ ان کے ایسے اعمال صادر ہوتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن ہم لوگ تو حادثہ کی صرف مادی اور ظاہری توجیہ کر کے اپنے کو مطمئن کر لیتے ہیں۔

پاکستان میں آئے تباہ کن زلزلہ کا تجزیہ بھی اسی نقطۂ نظر سے کیا جا رہا ہے۔ فلولا اذجاءهم باسنا تضرعوا ولكن قست قلوبهم وزين لهم الشيطان ما كانوا يعملون:

مندرجہ ذیل مضمون میں چند واقعات کا بھی تذکرہ تھا ہم نے ان کو حذف کر کے اشارے پر اکتفا کیا کہ قرآن کا اسلوب دعوت اثبات مفصل اور نفی مجمل کا ہے۔

۸/ اکتوبر ۲۰۰۵ء کا سورج اپنی پوری تابانی کے ساتھ اہل پاکستان کے لئے طلوع ہوا لیکن خداوند قدوس نے اسے اس دن ایسے فیصلوں کے ساتھ طلوع کیا جن کے ذریعہ بہت سے لوگوں کی زندگی کا سورج غروب ہو گیا یا جو باقی بچے ان کی زندگی شام غریباں میں تبدیل ہو گئی، یکایک نو بجے ایک ایسا زلزلہ آیا کہ چند سیکنڈ کے بعد چیخ، پکار، آہ و بکا اور گریہ وزاری کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا اور فضائے بسیط میں گرد وغبار، فرش بریں پر زمین بوس عمارتوں کے نیچے دب گئے جہاں اللہ کے علاوہ کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں تھا، ہزاروں لوگ زخمی ہو گئے، بہت سے بچے یتیم اور ہزاروں خواتین بیوہ ہو گئیں، اس وقت کی صورتحال قیامت کا منظر پیش کر رہی تھی، نفسانفسی کا عالم تھا، راقم الحروف اس وقت لاہور میں تھا، اگرچہ لاہور میں اس زلزلہ کے اثرات کم تھے لیکن وہاں بھی اس کی کیفیت ناقابل بیان تھی، اس وقت کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے، کچھ سمجھا نہیں دے رہا تھا، اللہ کی ذات کے علاوہ اور کوئی سہارا نظر نہیں آرہا تھا، ابتداء میں مواصلاتی نظام درہم برہم ہونے کی وجہ سے میڈیا کے ذریعہ بہت زیادہ نقصانات کا اندازہ نہیں ہو سکا، لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا، نقصانات کے اعداد وشمار میں بھی اضافہ ہوتا گیا، دارالحکومت اسلام آباد میں فلک بوس مارگلہ ٹاور یکایک زمین بوس ہو چکا تھا جو بیرون ممالک سے آنے والی تہذیب نو کا مرکزی اڈہ تھا، آزاد کشمیر میں مظفر آباد اور باغ جیسے حسین شہر "كانهم خاوية على عروشها" کا منظر پیش کر رہے تھے، بالاکوٹ کا شہر قبرستان میں تبدیل ہو گیا یہاں تک کہ وہاں تباہی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہاں کے باقی ماندہ لوگوں نے ایک

مخصوص علاقے کی چہار دیواری کر کے اس علاقے کو قبرستان قرار دینے کا فیصلہ کیا ہے..... یہ سب کچھ ایک طرف، لیکن دوسری طرف قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا یہ صرف ایک طبعی واقعہ تھا یا اس کے پس پردہ زبردست حکیم ودانا خداوند قدوس کا فیصلہ کارفرما تھا؟ راقم سطور نے استاد محترم مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور برادرم نجیب الحسن صدیقی ندوی کی معیت میں متاثرہ علاقوں کا ایک دورہ کیا، وہاں کی صورتحال، لوگوں سے ملاقات اور واقعات کے تجربے سے کچھ ایسے حقائق سامنے آئے ہیں جن سے ایمان میں تازگی اور قدرتِ خداوندی کی جلوہ گری نمایاں ہوتی ہے کیونکہ موجودہ دنیا میں ایسے واقعات کو طبعی واقعات قرار دے کر ان سے کوئی سبق حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی ہے، یہاں تک تو بیان کیا جاتا ہے کہ زلزلہ زمین کے اندر موجود پلیٹوں کے ہلنے سے آتا ہے لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ ان پلیٹوں کو ہلانے والا کون ہے اور اس نے ان کو کیوں ہلایا؟! تباہ شدہ علاقوں میں قدرت خداوندی اور اللہ کے عدل وانصاف کی واضح دلیلیں موجود ہیں، صاف صاف طور پر تمام علاقوں میں دیکھا کہ ایک مکان کے دونوں طرف عمارتیں بالکل مسمار ہیں اور درمیان کی عمارت بالکل محفوظ، جیسے کہ قینچی کے ذریعہ کاٹ کر اس کو علاحدہ کر دیا گیا ہو، لوگوں سے معلوم ہوا کہ محفوظ عمارت ایک خداد وست اور اچھے انسان کی تھی جب کہ مسمار عمارت اچھے آدمی کی نہیں تھی، بالاکوٹ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کا جائے مدفن اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قبر مبارک مکمل طور پر محفوظ اور چاروں طرف سے تباہی ہی تباہی کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

مظفر آباد میں دریائے نیلم کے کنارے چھ منزلہ نیلم ہوٹل اپنی مثال آپ تھا لیکن زلزلہ کے بعد وہاں اس کے نشانات کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے، یہ ہوٹل وزیرۂ بہبود آبادی شیریں وحید کا تھا، ماہِ رمضان میں کئی روز تک مختلف گلوکاروں اور فن کاروں کا وہ مرکز بنا رہا، فحاشیت وعریانیت کا ننگا ناچ ناچا گیا اور پھر آٹھ اکتوبر کی صبح کو قہر خداوندی کے نتیجے میں مکمل طور پر تمام افراد سمیت وہ زمین بوس ہوگیا، بعض لوگوں کے بقول زلزلے کے بعد وہاں چار برہنہ جوڑے مردہ حالت میں پائے گئے۔

بالاکوٹ کے بارے میں مصدقہ ذرائع کے ذریعہ معلوم ہوا کہ زلزلہ سے ایک دن پہلے جمعہ کی رات میں وہاں کے ایک امام صاحب کے بچے نے (جو ایک مدرسے کا طالب علم تھا) خواب دیکھا کہ (بالاکوٹ شہر کو آپس میں ملانے والے دریائے کنہار پر موجود) پل پر سفید لباس میں ملبوس دو شخص آپس میں گفتگو کر رہے تھے ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ بتاؤ اس شہر کے دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دیا جائے یا بستی کو اٹھا کر پٹخ دیا جائے؟ دوسرے شخص نے جواب دیا، اتنی سخت سزا نہیں بلکہ تھوڑا سا ملا دیا جائے، یہ خواب بچے نے اپنے والد سے بیان کیا، اس کے والد مسجد کے امام تھے، دوسرے دن جمعہ سے پہلے اپنے خطاب میں انہوں نے خواب کا ذکر کیا اور لوگوں کو انابت الی اللہ کی طرف توجہ دلائی، جمعہ کے بھرے مجمعے میں انہوں نے اس خواب کو بیان کیا، دوسرے ہی دن سنیچر کی صبح کو زلزلے نے پورے بالاکوٹ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جواب کان لم یغنوا فیھا کا منظر پیش کر رہا تھا۔

ایک کرنل صاحب نے ہمارے رفیق اظہر بھائی سے بیان کیا (کرنل صاحب واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں) کہ زلزلے کے بعد ایک صاحب کی لاش اٹھائی گئی، قبر کھودی گئی، قبر میں رکھنے کے بعد تین بار قبر نے لاش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، بعد میں ایک مولانا صاحب کو بلایا گیا ان سے اس سلسلہ میں معلوم کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر اس شخص کے اہلِ خانہ میں سے کوئی موجود ہو تو اس سے معلوم کر لیا جائے، معلوم ہوا کہ اس شخص کی ایک بیوہ ایک خیمہ بستی میں موجود ہے، اس کو بلایا گیا تو اس نے بتایا کہ ہاں، اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ پانچ سال سے وہ ایسی برائی میں مبتلا تھا جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی تھی..... اس کے بعد امام صاحب نے اس کو دریا میں پھینکنے کا حکم دیا اور دفن کرنے کے بجائے اس دریا برد کر دیا گیا۔

ایک واقعہ جس کو وہاں کے اخبارات نے بھی شائع کیا اور باوثوق افراد کے حوالے سے معلوم ہوا کہ زلزلے کے چند دن بعد ایک بس میں کچھ لوگ سفر کر رہے تھے اچانک بس میں ایک سانپ نکل آیا، بس میں ایک ہلچل مچ گئی، کسی طرح سانپ کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا گیا، اتفاق سے نیچے وہ ایک موٹر سائیکل سوار شخص کے اوپر جا گرا سانپ نے اس کو اس طرح کاٹا جس سے فوراً ہی فوت ہوگیا، تمام مسافر سخت پریشان ہوئے اس شخص کو اٹھایا گیا، اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے اس کی شناخت ہوسکتی، بالآخر موٹر سائیکل سے بندھے ہوئے بیگ کو جب کھولا گیا تو اس کے اندر سے پھولے ہوئے ہاتھ درآمد ہوئے جن پر زیورات لگے ہوئے تھے.....

ایک معمر خاتون نو دن کے بعد ملبے کے نیچے سے زندہ نکالی گئی، ہسپتال میں جب اس کو ہوش آیا، اس وقت ڈاکٹر اس کو انجکشن لگا رہا تھا، خاتون نے

فوراً ڈاکٹر کو ڈانٹتے ہوئے کہا: میں روزے سے ہوں، میرا روزہ کیوں خراب کر رہے ہو (رمضان میں صبح کے وقت روزے کی حالت میں زلزلے کا واقعہ پیش آیا تھا) اس واقعہ کی تفصیلات وہاں میڈیا کے ذریعہ بھی بیان کی گئیں۔

زلزلے کے بعد نفسانفسی کا عالم تھا، اللہ کے دین کو سربلند کرنے اور باطل کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنی جانوں تک کا نذرانہ پیش کرنے والی ''اللہ کی جماعت'' کا اس قیامت خیز زلزلے میں ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں ہوا ہے، زلزلے کے بعد سب سے پہلے اسی ''اللہ کی جماعت'' نے زخمی لوگوں کو ملبے کے نیچے سے اپنی جان پر کھیل کر نکالا ہے جب کہ اس وقت مزید زلزلے کے خوف سے ایک باپ بھی اپنی اولاد کو نکالنے کے لئے کسی عمارت کے قریب جاتے ہوئے گھبراتا تھا، نو بجے اسکولوں میں بچے زیر تعلیم تھے، زیر تعلیم بچوں اور بچیوں کا کافی نقصان ہوا ہے، بالاکوٹ کے ایک گرلس اسکول سے دوسرے اور تیسرے دن بیسیوں زندہ بچیوں کو اسی اللہ کی جماعت نے نکالا، اب وہاں کے لوگ ان فرشتہ صفت انسانوں کے بارے میں کوئی غلط بات سننے کے روادار نہیں ہیں، کیوں کہ انہی علاقوں میں اللہ کی اس جماعت کا بالکل محفوظ رہنا کسی معجزہ سے کم نہیں ہے.....

زلزلے سے صرف شہر ہی متاثر نہیں ہوئے ہیں بلکہ بہت سے دیہات بھی اس سے زبردست متاثر ہوئے ہیں جہاں آمد ورفت کے تمام ذرائع منقطع ہوگئے تھے، اس لئے یا تو امداد وہاں پیدل چل کر پہنچائی گئی یا پھر بعد میں ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ ان تک امدادی سامان پہنچایا جاسکا، الخدمت ٹرسٹ، الدعوۃ ٹرسٹ اور الرحمت ٹرسٹ وغیرہ نے متاثرہ افراد تک امدادی سامان پہنچانے اور بے یار ومددگار افراد کی تعمیر نو میں اہم رول ادا کیا ہے بعض اہل دل حضرات نے جس طرح لوگوں کی امداد کی ہے ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

اب وہاں پر مقامی تنظیموں، حکومتِ پاکستان اور امریکہ سمیت تمام ممالک امدادی کاروائیوں میں مصروف ہیں البتہ امریکی فوج امدادی کاروائیوں سے زیادہ جغرافیائی حالات کا جائزہ لینے اور حکمتِ عملی تیار کرنے میں مصروف ہے، اس وقت بے یار ومددگار افراد اور خاندانوں کی تعمیر نو، ان کے لئے مکانات کی تعمیر، ضروریاتِ زندگی کی فراہمی، یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کا بندوبست اور بیواؤں کی کفالت سب سے زیادہ اہم مسائل ہیں، ورنہ این جی اوز اس کے لئے بالکل تیار بیٹھی ہیں تاکہ ان بچوں اور بچیوں کو غلط مقاصد میں استعمال کر سکیں۔

بلاشبہ یہ قیامت خیز زلزلہ اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں تھا، جانے والوں کے لئے بھی آزمائش، متاثر ہونے والوں کے لئے بھی ابتلا وامتحان اور دور سے تماشائی بننے والوں کے لئے اس میں عبرتیں، سبق آموز واقعات، اللہ کی قہاری وجباری اور قدرت کے عظیم کرشمے موجود ہیں، لیکن کیا اتنا کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ہماری زندگیوں میں کوئی تبدیلی آئی، کیا ہم نے برائیوں کو ترک کیا، کیا اللہ کی طرف ہم متوجہ ہوئے، ظلم وجور اور حق تلفی سے ہم نے توبہ کی، آپسی اختلافات کو ختم کیا، اللہ کے عقاب وعتاب کو دعوت دینے والے تمام کام کیا ہم نے ترک کر دیئے، فھل من مدکر؟۔

☆☆☆

قنوج کے قدیم مشہور معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ

عطریات

شمامۃ العنبر ● عطر گلاب ● روح خس ● عطر موتیا

عطر حنا ● عطر گل ● عطر کیوڑہ

اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔

ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں

محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر

(پرائیویٹ لمیٹیڈ) قنوج فون: 234445

سراغ زندگی

انسانی قیادت کے لئے وحی الٰہی سے مربوط علم کی ضرورت

تعلیمی سال کے آغاز میں اساتذہ وطلبائے دارالعلوم سے حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا ایک اہم خطاب

ترتیب وپیشکش ..... محمد جاوید اختر ندوی

۵رذیقعدہ ۱۴۲۶ھ کو دارالعلوم کی عظیم الشان مسجد میں ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا اساتذۂ کرام اور طلبۂ دارالعلوم سے عمومی خطاب کا ایک پروگرام رکھا گیا، جس میں مدارس اسلامیہ کی اہمیت، طلبہ کے یہاں آنے کا مقصد، علوم دینیہ کے اغراض ومقاصد، طلبۂ علوم نبوت کا مقام اور امت اسلامیہ کی قیادت میں ان کے کردار پر بھرپور روشنی ڈالی گئی۔

افادۂ عام کی غرض سے یہ بیش قیمت خطاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد مولانا مدظلہ نے فرمایا:

جناب مہتمم صاحب، اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ!

میں اصلاً ایک مدرس اور استاذ ہوں، یہ اور بات ہے کہ کچھ اضافی ذمہ داریاں مجھ سے متعلق ہوگئی ہیں، آپ کے اساتذہ نے بھی اپنے اپنے تجربات آپ کو سنائے، فرق یہ ہے کہ اکثر اساتذہ کی اس میدان میں اتنی مدت نہیں ہوئی ہوگی جتنی میری ہوئی ہے اس لئے تجربات میں فرق ہوسکتا ہے۔

حضرات! علم خدائے ذوالجلال کا خاص عطیہ اور انعام ہے جو اللہ نے بندوں کو عطا کیا ہے، انسان کے وجود کے ساتھ علم کو جوڑ دیا ہے، جو انسان کے مرتبہ کی چیز ہے، یعنی علم کے بغیر انسان انسان نہیں ہے، علم کے بغیر وہ انسانی خصوصیات وکمالات میں کامل نہیں، کیونکہ علم انسان کے ساتھ جڑا ہوا ہے، لیکن خدا نے اس کو اختیاری رکھا ہے، وسائل پیدا کردیئے ہیں، جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے انسان کے اندر یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور یہ سلسلہ بچپن ہی سے شروع ہوجاتا ہے، ماں باپ سے جو کچھ حاصل ہونا چاہئے وہ بچپن ہی سے حاصل ہونا شروع ہوجاتا ہے اور بسا اوقات اس علم سے وہ بعد میں فائدہ اٹھاتا ہے، پھر اس کے بعد تجسس کا مذاق پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے ذریعہ وہ اپنے علم میں اضافہ کرتا رہتا ہے، لیکن یہ عام علم ہے زندگی گزارنے کے لئے، اور زندگی گزر جاتی ہے لیکن کسی کارنامہ کے لئے راسخ واور عمیق علم کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کا اصل مقام ہی یہی ہے کہ وہ ٹھوس اور مضبوط علم حاصل کرے، اور ایسا کارنامہ انجام دے جائے کہ دنیا عش عش کرتی رہے اور صدیوں لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔

پس اگر ہم اس مرکزی حیثیت کو حاصل نہیں کرسکتے ہیں تو ہم میں اور جانور میں کیا فرق رہ جائے گا؟ جانور کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی ضروریات پوری کرے، اس کے پاس کوئی ذمہ داری نہیں، لیکن علم انسان کو ذمہ دار بناتا ہے قرآن میں صاف صاف فرمایا گیا ہے ﴿إنا عرضنا الأمانة على السماوات والأرض والجبال فأبين أن يحملنها وأشفقن منها وحملها الإنسان إنه كان ظلوما جهولا﴾۔

انسان خود مختار نہیں، خدا نے پیدا کیا ہے، صلاحیتیں دی ہیں، اللہ تعالیٰ کی غرض یہ تھی جو اس امانت کو اٹھائے اس کے اندر قابلیت بھی پیدا کردیا، اب جب قابلیت پیدا کردی اور اس نے وعدہ بھی کرلیا تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو یہ ذمہ داری ادا کرنی ہے ورنہ اس نے وعدہ کیوں کیا؟ اس لئے انسان بنایا، زندگی دی اور ضروریات کی تمام چیزیں پیدا کیں تاکہ وہ ذمہ داری انجام دینے کا اہل ہوسکے کسی کو ملازم رکھا جائے اور اس کو ساری سہولیات اس بناء پر دی جائے کہ وہ اپنا کام کرے لیکن اگر وہ سہولیات سے فائدہ اٹھائے اور ذمہ داری انجام نہ دے تو کیا انسان برداشت کرسکتا ہے؟ تو جب انسان برداشت نہیں کرسکتا خدا کیسے برداشت کرسکتا ہے، مزہ اڑانے کے لئے کیا دوسری مخلوقات نہیں تھی، کیا انسان تفریح اور نمائش کے لئے پیدا کیا گیا اگر ایسی بات تھی تو پوری کائنات کا نظام بنانے کی کیا ضرورت تھی، اس میں حکمت ہے اور وہ ہے ذمہ داری کو ادا کرنا جس کو "امانت" سے تعبیر کیا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو اللہ کا تابع بنانا اور اس کے مطابق کائنات کے نظام کو چلانا اس کے لئے علم کی ضرورت ہے جس طرح انسان زندگی گزارنے کا طریقہ ماں باپ اور ماحول سے اس کا علم حاصل کرتا ہے جانور ایسا نہیں کرسکتا علم ہمارا بچپن ہی سے شروع ہوجاتا ہے لیکن ذمہ داری کے لئے جس علم کی ضرورت ہے اس کو حاصل کرنا چاہئے وہ علم ہے "علم

الٰہی" جس کا بڑا حصہ "وحی الٰہی" کے ذریعہ حاصل ہوا۔ وحی الٰہی سے مربوط جو علوم ہیں وہ عقل انسانی سے پرے ہیں، جو کتابوں میں محفوظ ہیں عصری درسگاہوں میں وہ علم سکھایا جاتا ہے جس کا تعلق انتظامات اور تدابیر سے ہے اور عقل کا ثمرہ ہے لیکن انسانی قیادت کے لئے وہ علم کافی نہیں ہے اس کے لئے وحی الٰہی سے مربوط علم کی ضرورت ہے، اب آپ خود سوچئے کہ یہاں آپ کس لئے کون سے علوم سیکھنے کے لئے آئے ہیں؟ وہ ذمہ داری ادا کرنے کے لئے جس کا تعلق "الأمانة" سے ہے۔

یہ بوجھ کتاب وسنت کے علم بغیر نہیں اٹھ سکتا، اگر ہم ذمہ داری کو اٹھاتے ہیں تو اشرف المخلوقات ہیں اور اگر نہیں اٹھاتے تو ہمارے اور چوپائے کے درمیان کوئی فرق نہیں، لیکن جانور مسئول نہیں اور ہم مسئول ہیں زمانہ تقسیم کردیا گیا ۱۔ پیدائش سے پہلے۔ ۲۔ جوانی۔ ۳۔ بوڑھاپا اور ۴۔ آخرت۔

اللہ تعالیٰ کوشش کو دیکھتا ہے لذت کا زمانہ صرف پندرہ بیس سالوں کا ہے شروع کے پندرہ بیس سال آدمی حصول علم وفن میں گزارتا ہے اس کے بعد معاش کی تگ ودو کرتا ہے پھر بوڑھاپا آجاتا ہے، اس کے لئے ہر آدمی سے پوچھا جائے گا کہ کیا کرکے آئے، اس وقت بولتی بند ہوجائے گی، ایک معمولی پولس انسپکٹر کے سامنے حالت خراب ہوجاتی ہے تو قیامت میں کیا ہوگا؟

یہ درسگاہیں جو علوم دینیہ کے سیکھنے کے مراکز ہیں وہ قیامت کے دن سرخروئی کا ذریعہ ہیں کتنا بڑا فرق ہے جواب دینے والوں اور جواب نہ دینے والوں میں پھر اس کا انجام کتنا خطرناک ہوگا اور وہ کتنی طویل زندگی ہوگی، اب آپ آئے ہیں تو سوچئے کہ کیوں آئے ہیں، اگر پہلی زندگی گذرانے آئے ہیں تو غلط راستہ ہے، آپ کی زندگی کی گاڑی غلط ٹریک پر جارہی ہے جیسے کسی کو استنجا خانہ جانا ہے اور مسجد چلا جائے تو وہ پاگل کہلائے گا، تو آپ سوچئے کہ یہاں کیوں آئے ہیں، آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے اگر مقصد صحیح ہے تو پھر فکر کرنی ہوگی اس کے لئے محنت کرنی پڑی گی جب دینی مدرسے میں آئے ہیں، تو بار "امانت" خدا نے ہمارے کندھوں پر ڈالی ہے اس مقصود کے حصول کے مطابق آپ کو زندگی گزارنی ہوگی، کسی بھی دینی درسگاہ میں جائیں تو آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ کیوں آئے ہیں، آپ شتر بے مہار نہیں ہیں، ہم یہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ آج یہی ہورہا ہے تعلیم کا مقصد زندگی کی راحت اور عیش بن کر رہ گیا ہے، ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ آپ غلط راستہ پر ہیں اور اس کا جو انجام ہے وہ بہت ہی خطرناک ہے، قرآن صاف کہتا ہے ﴿يويلتىٰ ليتنى لم اتخذ فلانا خليلاً اور لعلى أعمل صالحاً فيما تركت كلا إنها كلمة هو قائلها اور فرمايا كلما ألقى فيها فوج سألهم خزنتها ألم ياتكم نذير﴾ یعنی ہائے افسوس ہم نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا اور کچھ نیک عمل کرلئے ہوتے تو جواب ملے گا کہ اب کوئی گنجائش نہیں ہم نے تو اس سے پہلے ڈرانے والا بھیجا تھا تو یاد رکھئے خدا آپ سے بھی پوچھے گا کہ آپ دینی درسگاہ کیوں گئے تھے؟ آپ آئے ہیں تو آپ کے کندھوں پر ایک ذمہ داری ہے، اور اس ذمہ داری سے آپ کو عہدہ برآ ہونا ہے۔

دینی درسگاہ کا نظام تفریح طبع اور تعیش نہیں، آدمی کسی بھی درسگاہ میں جاتا ہے یہ جانتا ہے کہ علم حاصل کرنے جاتا ہے۔ اور اگر دینی درسگاہ میں جاتا ہے تو قرآن وحدیث کے علوم سے اپنے آپ کو مزین کرنے جاتا ہے تو اگر آپ کوئی اور مقصد لیکر آئے ہیں تو غلط آئے ہیں فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے کہ صحیح آئے ہیں یا غلط آئے ہیں۔

محنت ہر چیز کے حصول کی بنیاد ہے، انسان زمین میں غلہ پیدا کرنے کے لئے کتنی محنت کرتا ہے آپ کو جس محنت اور مشقت کی ضرورت ہے وہ کرنی ہوگی اس کے بغیر یہ علم نہیں آئے گا، آپ ہم کو عزیز ہیں اساتذہ کے دلوں میں طلبہ کی جو محبت وچاہت ہے وہ آپ نہیں جانتے لیکن چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوا، ماں باپ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، سارا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو ارادہ کرنا ہوگا اور اس کو عملی جامہ پہنانا ہوگا۔

بھائیو! اس بات کو سمجھو، سال کا آغاز ہے ابھی سے غور کرلو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو، کتاب کا کیڑا بن جاؤ اس کے بغیر علم نہیں آتا، علم بہت غیرت مند ہے۔

آپ کی دولت آپ کے اوقات ہیں، اس کو مرتب کیجئے، کون عقلمند اپنی دولت کو بکھیرتا ہے، پڑھنے آئے ہیں تو اس میں اوقات صرف کریں، اور سمجھنے کی کوشش کریں سمجھے بغیر کوئی فائدہ نہیں اوقات کے ضیاع سے بچئے، کتابوں کا مطالعہ بڑھایئے، درس کو تقریر کی طرح مت سمجھئے، پابندی کو لازمی بنایئے، ایک دن کا ناغہ تین دن کا ناغہ ہوتا ہے، ناغہ میں بڑا خسارہ ہے، درجہ کے اندر کان کھڑے رکھئے، جو اوقات میسر ہیں ان کو علم کے حصول میں گذاریئے، تفریحات کے لئے، دنیا دیکھنے کے لئے آپ کے پاس کہاں وقت، اس وقت کے نقصان کی تلافی کبھی نہیں ہوسکتی، اپنے آپ کو طالب علم سمجھئے مزدور مت سمجھئے، طالب علم کے اوصاف مثلاً حسن خلق، حاضر دماغی اور سلیقہ مندی آپ میں ہونا

Ph: 2266786
Rizaz Ahmad
Ghyas Ahmad
شاہ جیولرس
SANA JEWELERS
۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ-۳
301/12, Sarai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956
حرمین ٹریڈرس
محمدیہ پروڈکٹس کے سپر اسٹاکیسٹ
کھوجاتی سرمہ . روغن بلسن . عطریات
النبیل یو اے ای ۔ کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپشلسٹ
حرمین بک ڈپو
پرفیومس النبیل دوبئی
شہر لکھنؤ U.A.E. کے مختلف عطریات سے معطر
دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی-این-ور ماروڈ، امین آباد، لکھنؤ

Shop: 2256064 Res: 2264487
Mob: 9335911535
فیمس چکن آرٹ
محمد امین محمد علیم محمد عظیم
مینو فیکچرر، ہول سیلر و آڈر سپلائر
اسپشلسٹ لیڈیز سوٹ، ساریز و ڈریس میٹریل
جینٹس کرتا اینڈ کڈس ویر
اپوزٹ بساطی مسجد، چوک، لکھنؤ-۳
E-mail: azeem 200 in yanoo.co

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845
Shop: 9415002532
2613736
3958875
سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام
حاجی صفی اللہ جویلرس
ہمارا نیا شوروم
گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ
پروپرائٹر: محمد اسلم
HAJI SAFIULLAH JEWELLERS
Opp: Gadbad Jhala aminabad, lucknow-18

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا
قابل اعتماد مرکز
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
MENMARK ®
56, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796
پروپرائٹر: ولی اللہ
WALIULLAH JEWELLERS
All Kinds of Gold, Silver & Diamand Jewellery
ولی اللہ جویلرس
Jutey wali Gali, Aminaba, Lucknow

چاہئے ورنہ آپ خالی ہاتھ جائیں گے اور علمی مجالس میں آپ کی رسوائی ہوگی، اپنا قبلہ درست کیجئے دنیا بڑی پر رونق ہے اگر اس کی رونق میں پھنسے تو برباد ہوجائیں گے، بات تلخ ضرور ہے لیکن کہنے دیجئے کہ آپ تباہ و برباد ہوجائیں گے، صرف آپ ضائع نہیں ہوں گے بلکہ والدین کو بھی تکلیف پہنچائیں گے۔

طالب علم بنئے، اور وہی صفات اپنے اندر پیدا کیجئے، مولانا علی میاں کے بارے میں حالات بتاتے ہیں کہ کیسا انہماک تھا، کھانا، ناشتہ کی کوئی فکر نہیں تھی مولانا کا جو مقام بنا وہ کہیں سے لیکر نہیں آئے تھے بلکہ اسی طرح بنا ہے۔

اللہ کے حکم کے مطابق عمل کریں گے تو اللہ کی مدد ہوگی، آپ علوم اسلامیہ کے تشنگان ہیں اس کے جو تقاضے ہیں ان کو مکمل کیجئے، اس میں آپ کا فائدہ ہی تو ہے، زندگی کو بدل دیجئے، زندگی کی رونق ایک کشش ہے جو شیطان کا دھوکا اور فریب ہے۔

''النادی العربی'' کا افتتاح

حضرت ناظم صاحب کی فکر انگیز جامع تقریر کے بعد اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ''النادی العربی'' کے ذمہ داروں نے النادی کا افتتاحی پروگرام بھی رکھا۔

''النادی العربی'' کا افتتاح کرتے ہوئے اس کے صدر اور مہتمم دارالعلوم جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ''عربی زبان کتاب سنت کی زبان ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ہمیشہ اس زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پیش کیا اور اس کی تعلیم دی، اس کے لئے ''النادی العربی'' کا شعبہ وجود میں آیا، ''النادی العربی'' کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو عربی زبان کا ذوق دیا جائے، آپ اس زبان کے رمز شناس بنیں، اس زبان میں تحریر و تقریر میں آپ کو دسترس حاصل ہو، اور ان تمام کوششوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ آپ قرآن فہمی میں ترقی کریں اور دعوت دین کے لئے تیار ہوں، اور آپ دوسروں کو قرآن کا پیغام اور دعوت پہنچا سکیں، اگر یہ عظیم مقصد پیش نظر نہ ہوتا تو دارالعلوم کے تعلیمی اوقات سے وقت نکال کر آپ کو ''النادی العربی'' کے جلسوں میں شرکت کرنے کے لئے موقع نہ دیا جاتا، اور یہ اس قدر مفید شعبہ ثابت ہوا کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تقلید میں بہت سے سارے مدارس نے ان جیسے پروگراموں کا نظام بنایا، ان کی افادیت سامنے آرہی ہے اور طلبہ مستفید ہو رہے ہیں، اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس کی قدر کریں اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں''۔

حضرت مہتمم صاحب کی پر مغز و مفید تقریر کے بعد ''النادی العربی'' کے جنرل سکریٹری برادرم محمد یحیٰ نے اپنا مقالہ پیش کیا، اور پھر حضرت ناظم صاحب نے بھی ''النادی العربی'' اور عربی زبان کی اہمیت و افادیت کے سلسلہ میں اپنے صدراتی کلمات سے نوازا۔

جلسہ کے آغاز میں مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے حضرت ناظم صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ خانۂ خدا میں بندگان خدا کا تعارف مناسب نہیں معلوم ہوتا اور جس عظیم شخصیت کا اس وقت آپ خطاب سننے جارہے ہیں وہ محتاج تعارف بھی نہیں ہے، بس یوں سمجھ لیجئے کہ حضرت مولانا کی پوری تعلیم علمی، فکری، دعوتی، اصلاحی اور انتظامی تربیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے زیر سایہ ہوئی، بچپن ہی سے حضرت مفکر اسلام کے آغوش میں پروان چڑھے اور آج ایک مصلح، داعی، انشاء پرداز، ادیب و صحافی اور عظیم رہبر و قائد کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کی قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، سنجیدہ، فکری اور اسلامی ادب و زبان پر عبور، قیادت کی اہلیت اور کامیاب تدریسی و تصنیفی خدمات حضرت کا خاص طرۂ امتیاز ہے اور حضرت مفکر اسلام ہی کے تربیت یافتہ نمایاں شخصیات میں جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اور جناب مولانا واضح رشید ندوی بھی ہیں۔

یہ خطاب ایسے باکمال استاذ و مربی کا ہوگا جنہوں نے اس میدان میں ۶۰/۵۵ سالہ تجربہ کیا ہے وہ مشرق و مغرب کے میخانوں کے محرم راز دروں ہیں، وہاں کی تہذیب و افراد کا مطالعہ، ماحول کا جائزہ، جلسوں اور پروگراموں کی صدارت کی ہے، یہ خطاب نہیں بلکہ ایسے شخص کا تجربہ ہے جنہوں نے اس وادی میں ایک طویل سفر طے کیا ہے اور ان کے ایک ایک لفظ کے پیچھے ۶۰ سالہ تجربہ ہے۔

حضرت ناظم صاحب کی پر اثر و فکر انگیز تقریر کے بعد دارالعلوم کے استاذ تفسیر جناب مولانا عارف سنبھلی ندوی نے اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ یہ تقریر ایک انقلاب انگیز کتاب تھی، اگر اس تقریر کو میں مرتب کروں تو دو سو صفحات سے کم نہیں ہوگی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حضرت مولانا علی میاں کے بعد کوئی ایسا تقریر کرنے والا ملے گا، یہ جامع تقریر ﴿إني جاعل في الأرض خليفة﴾ کی تفسیر پر محیط تھی، میں مسجد میں کہہ رہا ہوں اور خود مطالعہ کرتا ہوں اور پڑھاتا ہوں، اگر میں ان کو اس تقریر کے بعد ''مفکر اسلام'' کہوں تو مبالغہ نہیں، سچ یہ ہے کہ حضرت نے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے۔.....